

سفر میں شام

کے اشرف

ضابطہ

ISBN: 978-1-4675-5639-2

شاعری: سفر میں شام

مصنف: کے اشرف

سرورق: ہارو

مطبع: سی ڈبلیو پرنٹرز

قیمت: 10 یو ایس ڈالرز

سی ڈبلیو پرنٹرز، 1375 یونیورسٹی ایونیو، برکلی، کیلیفورنیا

انتساب زندگی کے نام

ترتیب

پیش لفظ 17

19_____دعا

تجھ کو چھو کے

20-----

21. جشن شام وصال.

22_____آپ آئے

23_____آج شب

اُس پری رونے

24_____

[illegible][illegible]

اُس کی آنکھوں میں

27-----

اُن سے ملنے گئے

28-----

29۔ ایک کھنڈر سے

30۔ برکھا

31 پوچھتے ہو کیا؟

33۔ پہلے میرا زرداں

[illegible]

37_____قطعه

[illegible][illegible][illegible]

تپتی گرمی میں _____ 44

جھوٹ کو سچ میں _____ 45

[illegible][illegible][illegible]

چپ کھڑا _____ 49

50-----آخری راستہ

52_____حرف تسلی

خامشی سے _____ 54

- 55-_____قطعہ
- 56-_____خواہشوں کا جنگل
- 58-_____خوبصورت ساحلوں کے
- 59-_____دستِ خواہش
- 60-_____دشت میں تنہا
- 62-_____روز و شب تجھ کو
- 64-_____شہر دل کے
- 65-_____عشق کا وہ استعارہ
- 66-_____عشق
- 67-_____خشک تھے دھرتی کے لب
- 69-_____ہر کسی سے
- 70-_____کبھی تُو
- 72-_____محبت کا سفر
- 73-_____فراق یار
- 75-_____قطعہ

- 76-----کس طرح میری محبت
- 78-----کسی سے دل لگا کر
- 79-----قطعہ
- 80-----قطعہ
- 81-----نام لکھوا کر
- 83-----قطعہ
- 84-----وہ ستم ہم پہ
- 86-----ہائے ہاتھ اُس کا
- 88-----ہم کہ گھائل
- 90-----ہو گئی اُس سے محبت
- 90-----قطعہ
- 93-----قید کر
- 94-----کس محبت سے
- 95-----اے مری جاں
- 96-----دشمنوں سے

- 123-----مکالمہ بین علم و شاعر
- 128-----چشم قاتل
- 129-----عالمی نظام زر
- 133-----زندگی کی خزاں
- 136-----راستہ
- 138-----کہاں سے سیکھا ہے
- 140-----اک کہانی
- 142-----جب دعائیں
- 145-----آنکھ جھپکی
- 146-----پھر رہے ہو سر بکف
- 147-----سن چکے
- 148-----اس طرح
- 149-----آئینے میں
- 151-----نہ گلشن میں
- 153-----کنارے آگلی

- 155-----آج قاتل کا
- 157-----قطعہ
- 158-----شہر جاناں
- 160-----بھوت پریت
- 162-----ہو گیا ہے
- 163-----رو پڑا ہوں
- 164-----بدلتا رخ
- 165-----ملی نہ جب
- 166-----حسن تھا پر ملال
- 167-----دل ہے میرا
- 168-----تیرگی سے
- 169-----محو ہیں سارے
- 170-----جب ہاتھوں میں
- 171-----چپکے چپکے
- 172-----دے رہا ہے کون

- 173-_____وقت بدلے گا۔
- 174-_____محبت کرو۔
- 175-_____رفتہ رفتہ۔
- 176-_____اس زمیں پر۔
- 177-_____میری تابانی سے۔
- 179-_____اے خدائے برگزیدہ۔
- 181-_____لکھی ہے بادلوں پر۔
- 182-_____جوا بھی خوابیدہ ہے۔
- 183-_____قطعہ۔
- 184-_____قطعہ۔
- 185-_____اگر بلبل ہے۔
- 186-_____مرے حضرت نے۔
- 187-_____نشانہ تمہارا۔
- 189-_____اک انوکھے بانگپن سے۔
- 190-_____وعدہ کر کے۔

- 192-----شکایت کیوں کروں
- 193-----تمنا تھی محبت میں
- 194-----جن کی خاطر
- 196-----پرانے زخم سہلانے
- 197-----زمیں پر رات آتی ہے
- 198-----کشتیاں بحر میں
- 200-----اپنے ہونے پر
- 202-----فقر میں بھی
- 203-----ڈھونڈتا ہے دل مرا
- 205-----کون جانے
- 206-----قطعہ
- 207-----جو بھی اس دل پر
- 208-----آسمانوں سے خدا
- 209-----ہجرتوں کے شوق میں
- 210-----زندگی بھر دوستوں سے

- 211-_____جب بھی آکر
- 212-_____گردشِ شام و سحر
- 213-_____کھڑکی کے دوپٹ
- 215-_____اُمیدوں بھری یہ سحر
- 217-_____آج کچھ ایسی ادا
- 218-_____گزرے راستے
- 219-_____عشق میں یہ بھی
- 220-_____دوستوں نے
- 222-_____سوال یہ ہے
- 224-_____کیا بتائیں
- 225-_____کب میسر ہیں
- 227-_____عکس اُبھرا
- 228-_____صداقت جب بھی
- 229-_____ایک نا اُمید عاشق کی شام
- 231-_____جس کو کبھی کسی سے

- 232-----ایک نظم
- 233-----قطعہ
- 234-----ذات تیری
- 235-----لفظ کی تکرار سے
- 236-----ہم مکیں
- 237-----سوچ رکھا ہے
- 239-----کچھ مصنف کے بارے میں
- 241-----مصنف کی دیگر کتابیں

O

پیش لفظ

سفر میں شام شاعری کی کتاب ہے۔ اس کا ٹائٹل سفر میں شام کیوں ہے اس کی وضاحت کرنا شاید سر دست ممکن نہ ہو۔ لیکن شام استعارہ ہے دن کے اختتام کا۔ دن جو زندگی کے گونا گوں رنگوں کے تارپودے سے انسانی عمل کو آگے بڑھاتا ہے۔ شام استعارہ ہے رات کے آغاز کا۔۔۔ رات جو زمین کے جتنے حصے کو اپنی گرفت میں لیتی ہے وہاں زندگی تاریکیوں میں ڈوب جاتی ہے۔ شام علامت ہے گزرے ہوئے دن کے عمل سے رکنے اور رات کی تاریکیوں سے محفوظ رہنے کے لئے کسی پڑاؤ پر ٹھہرنے کا تاکہ اگلی منزلوں کے لئے نئی توانائی جمع کی جائے۔

اردو شاعری کا کینوس بہت وسیع ہے۔ میٹر سے لیکر فیض احمد فیض تک عظیم شاعروں کی ایک لمبی قطار ہے جس میں شامل شاعروں نے اردو شاعری کے دامن کو شعر و ادب کے ایسے ایسے موتیوں سے مالا مال کیا ہے کہ ان کی چمک دمک دنیا کی کسی بھی زبان کی شاعری کے سامنے پوری آن بان سے جلوہ آرا ہو سکتی ہے۔

اردو زبان کی شاعری کے ان خزانوں میں 'سفر میں شام' کسی اضافے کا سبب بنے گی اس بارے سوچنا بھی شاید اُن عظیم اساتذہ سے مذاق کے مترادف ہو۔ لیکن عہد حاضر نے آج کے انسان کو جن بین الاقوامی چیلنجز سے دوچار کیا ہے اور اس کے نتیجے میں آج کے عہد کا انسان احساسات کے جن تجربات سے گزرتا ہے ان کی نمائندگی 'سفر میں شام' میں خوب ہوتی ہے۔

'سفر میں شام' کے شاعر خواجہ اشرف چونکہ گونا گوں ادبی تجربات پر نہ صرف بھرپور یقین رکھتے ہیں بلکہ عملی طور پر اپنی ادبی نگارشات میں ان تجربات سے استفادہ کرتے ہیں اس لئے 'سفر میں شام' میں شامل غزلوں اور نظموں میں آپ کو ایسے کئی رنگ دکھائی دیں گے۔ دیکھتے ہیں کہ 'سفر میں شام' کے مطالعہ کے دوران ان رنگوں کے پر تو کس طرح آپ کے احساسات پر منعکس ہوتے ہیں۔

موضوعات کے اعتبار سے بھی شاعری کا دامن بہت وسیع ہے۔ اردو شاعری بھی موضوعات کی بوقلمونی اور رنگارنگی سے بھرپور ہے۔ علم کی شاید ہی کوئی شاخ ہو جس کے تصورات اردو شاعری کا موضوع نہ بنے ہوں۔ چنانچہ اردو شاعری میں جہاں آپ کو عشق و محبت جیسے انمول انسانی جذبے کے بارے میں بے شمار اشعار ملتے ہیں وہاں الہیات، تصوف، فلسفہ، منطق، سماجیات، معاشیات، سیاسیات، ماحولیات، فلکیات اور بین الاقوامی تعلقات پر انتہائی نازک اشعار کا ایک بہت بڑا ذخیرہ نہ صرف دستیاب ہے بلکہ اس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

خاص طور پر جب موضوعات کی رنگارنگی کا ذکر ہوتا ہے موجودہ دور میں پوری دنیا میں پھیلے اردو زبان کے شاعر اس میں دن رات ڈھیروں کے حساب سے اضافہ کر رہے ہیں۔

’سفر میں شام‘ بھی شمالی امریکہ میں آباد شاعر، افسانہ نگار، ناول نگار اور سفر نامہ نگار خواجہ اشرف کے زرخیز تخیل کی تخلیق ہے۔ آپ کو یہ شاعری کیسی لگی۔ اس بارے آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔

کے اشرف

1375 یونیورسٹی ایونیو، برکلی، کیلیفورنیا، 94702

یو ایس اے۔

Email: kashraf@ix.netcom.com

دُعا

جو مردہ دل ہیں یارب اُن کو تازہ زندگی دے دے
جو تاریکی میں کھوئے ہیں اُنہیں تُو روشنی دے دے

نہیں جن کو سلیقہ اِس جہاں میں دل نوازی کا
اُنہیں اک بار پھر سے تُو ادائے دل بری دے دے

ستارے روشنی پاتے تھے شب میں جن کے اشکوں سے
اُنہیں اک بار پھر سے تُو وہ ذوقِ بندگی دے دے

زمانے نے مسل ڈالا ہے جن کو خاک کی صورت
اُٹھا کر خاک سے اُن کو جہاں میں سروری دے دے

کیا ہے دانشِ حاضر نے جامہ چاک ہستی کا
سلے جس سے یہ پیرا ہن ہمیں وہ آگہی دے دے

O

تجھ کو چھو کے

تجھ کو چھو کے آسمان کو چھو لیا
اس طرح سارے جہاں کو چھو لیا

ہو گئے ہیں سب ستارے ہم عناں
ہم نے ست رنگی کماں کو چھو لیا

کس کی خوشبو سے معطر ہے زباں
کس زباں نے کس زباں کو چھو لیا

سن رہا ہوں وقت کی سرگوشیاں
لفظ نے اوج بیاں کو چھو لیا

درمیاں سے اٹھ گئے سارے حجاب
خاکداں نے لامکاں کو چھو لیا

O

جشنِ شامِ وصال

جشنِ شامِ وصال کرتے ہیں
ہجر کا اندمال کرتے ہیں

دہر میں آپ ہم کو کیوں لائے
ہم سے بچے سوال کرتے ہیں

ہم بناتے ہیں روز و شب انجم
روز و شب ہم کمال کرتے ہیں

یہ حسین و یزید کے جھگڑے
کیوں ہمیں پُر ملال کرتے ہیں

دل لگی یہ نہیں، حقیقت ہے
آپ کا ہم خیال کرتے ہیں

O

آپ آئے

آپ آئے گھر چراغاں ہو گیا
ذّرہ ذّرہ ماہِ تاباں ہو گیا

آپ کی آمد کا یہ اعجاز ہے
راستہ گھر کا گلستاں ہو گیا

ماہِ وانجم بھی ہوئے حیرت میں گم
آج شب یہ کون مہماں ہو گیا

چھاگئی ہے ذہن پر اک بے خودی
لیجئے پینے کا سماں ہو گیا

تھا ہمیشہ عشق پر ہم کو یقین
آج کامل اپنا ایماں ہو گیا

O

آج شب

آج شب دیر مت کرنا
بے سبب دیر مت کرنا

بھیڑ میں تم نہ کھو جانا
کچھ ہو اب دیر مت کرنا

وقت پر گھر چلے آنا
بہر رب دیر مت کرنا

تم نہ آئے تو ہونہ جائیں
جاں بہ لب دیر مت کرنا

O

اُس پری رُونے

اُس پری رُونے مجھے یہ کیا کہا
اب کہیں کیا جو کہا اچھا کہا

احترام میں نے بس اتنا کہا
آپ نے جو کچھ کہا اچھا کہا

کچھ نے مانا ہے مجھے اپنا بزرگ
کچھ نے شفقت سے مجھے بچہ کہا

اب زمانہ دوسرا ہے کیا کہیں
ہر کسی نے جھوٹے کو سچا کہا

آپ کہتے کیسا ہے یہ تجربہ
شعر کیا ستھرا کہا سچا کہا

O

اس محبت میں

اس محبت میں سر بھی جاتا ہے
یہ نشہ پھر اتر بھی جاتا ہے

چند لمحے بہار میں کھل کر
پھول آخر بکھر بھی جاتا ہے

وقت کی گرد میں وفا تو کیا
حسن آخر نکھر بھی جاتا ہے

زندگی بھر گناہ کرتا ہے
آدمی پھر سنور بھی جاتا ہے

عشق میں مشکلیں جب آتی ہیں
دل تو دل ہے جگر بھی جاتا ہے

O

عشق کے موسموں میں

عشق کے موسموں میں تنہا
میں چلا جنگلوں میں تنہا

سج گیا وہ کسی کے کالر پر
تھا جو گل اُن گلوں میں تنہا

ہاتھ چھوٹا تو دُوب جاؤ گے
گھرے اِن پانیوں میں تنہا

خوف سے کون ہے ہر اسماں
زیست کے راستوں میں تنہا

وہ جدائی کی آگ میں جاناں
جل گیا بارشوں میں تنہا

O

اُس کی آنکھوں میں

نگاہوں میں اشارا ناچتا ہے
خوشی سے دل ہمارا ناچتا ہے

سرِ افلاک تارا ناچتا ہے
زمیں پر شہر سارا ناچتا ہے

سمندر وجد میں آجائے تو پھر
رواں پانی کا دھارا ناچتا ہے

بگولے کی طرح صحرا میں مجنوں
اکیلا غم کا مارا ناچتا ہے

سجا کر نیند کے ڈورے نظر میں
وہ بے گھر، بے سہارا ناچتا ہے

O

اُن سے ملنے گئے

اُن سے ملنے گئے تو وہ بولے
ہم کسی سے ملا نہیں کرتے

کر دیا گر کبھی کوئی شکوہ
کہہ دیا یوں گلہ نہیں کرتے

چاک کرتے ہو عشق میں دامن
ایسے دامن سلا نہیں کرتے

عشق میں ضبط ہے روا لیکن
ضبط اتنا کیا نہیں کرتے

فصل گل ہے شراب لے آؤ
ایسے موسم ملا نہیں کرتے

O

اک کھنڈر سے

اک کھنڈر سے یہ صدائیں آرہی ہیں
شہر دل میں کچھ بلائیں آرہی ہیں

جل رہے ہیں آدمی اس شہر میں سب
کس جہنم سے ہوائیں آرہی ہیں

مٹ رہے ہیں کائناتی فاصلے اب
پاس میرے کھکشانیں آرہی ہیں

سب جلا کر چوک میں اپنے حجاب
پیٹ تھامے اپسرائیں آرہی ہیں

آسماں والے پریشاں ہو گئے ہیں
اب زمیں سے کیا دعائیں آرہی ہیں

O

برکھا

اب کے برسی ایسی برکھا
تن من مورا بھیگ گیا
کچھ بھی مورا بچ نہ پایا
سب کچھ مورا بھیگ گیا
پی نے لکھیں جتنی چٹھیاں
موری ساری چنچل سکھیاں
پاگل منوا بے کل اکھیاں
سب کچھ مورا بھیگ گیا
بیری برکھا برسی جاوے
میں روکوں پرک نہ پاوے
تن من مورا جلتا جاوے
سب کچھ مورا بھیگ گیا
اب کے برسی ایسی برکھا

O

پوچھتے ہو کیا؟

پوچھتے ہو کیا ہوا کچھ بھی نہیں
میرا دکھ میرے سوا کچھ بھی نہیں

کیا بتائیں اُن کی خفگی کا سبب
سچ تو یہ ہے ماجرا کچھ بھی نہیں

عمر بھر کی بندگی کا اجر بس
ایک جنت کے سوا کچھ بھی نہیں

آپ کے مذہب میں ہے سب ناروا
عاشقی میں ناروا کچھ بھی نہیں

چل پڑے ہیں تو پہنچ بھی جائیں گے
دل سے دل کا فاصلہ کچھ بھی نہیں

جس سفر میں ٹوٹ جائیں حوصلے
اُس سفر کا فائدہ کچھ بھی نہیں

کر رہے ہو قتل جیسے کہ یہاں
خونِ ناحق کی سزا کچھ بھی نہیں

وائے کہ اب معتبر اس عہد میں
حُسنِ ظاہر کے سوا کچھ بھی نہیں

لطف ہو مقصود تو اُن کے لئے
اجنبی یا آشنا کچھ بھی نہیں

O

پہلے میرا رازداں

پہلے میرا رازداں ہوتا گیا
پھر وہ مجھ سے بدگماں ہوتا گیا

اُس کی ہر اک بات تیروں میں ڈھلی
تن کے خود بھی وہ کماں ہوتا گیا

پہلے تھی اُس میں بھروسے کی کمی
رفتہ رفتہ بدزباں ہوتا گیا

طے ہوا یوں بے وفائی کا سفر
مہرباں نامہرباں ہوتا گیا

ہم بچے بن کر زمیں جس کے لئے
تن کے سر پر آسماں ہوتا گیا

O

پیدائش کی منتظر رُوحوں کی التجا

اے خدائے دو جہاں
اے خدائے این و آں
پائیں گرتیری اماں
اپنے دل کے خوف کو
ہم کریں تجھ سے بیاں
اب تو زیرِ آسماں
ہو گئی ہے زندگی
ہر طرح سے بے اماں
بھر چکی ہے ظلم سے تیری زمیں
کیا یہ ممکن ہے نہ ہم جائیں وہاں؟
جب فرشتوں نے سُنی تھی یہ التجا
ہو گئے مغموم سب
مل کے بولے سب کے سب بہ یک زباں
خالقِ ارض و سما

مالک کون و مکاں
اِن کا کہنا ہے بجا
اِن کا خدشہ ہے روا
بھر چکی ہے ظلم سے تیری زمیں
کر رہی ہیں کرب سے فریاد مُردہ ہڈیاں
کانپتا ہے جس سے تیرا آسماں
ہیں اگر ترساں وہاں جانے سے یہ
ہیں صحیح خدشات اِن کے بدگماں
کاش کہ ہو جائے ختم
اب زمیں پر جبر کی یہ داستاں
جب سنی ارواح کی آہ و پکار
اور فرشتوں کو بھی پایا اُس نے اُن کا غم گسار
تو فرشتوں سے وہ یوں گویا ہوا
جبر کا یہ سلسلہ اب بند ہونا چاہئے
زندگی کے کھیل کو رہنا ہے جاری اب اگر

تو سبھی اہل زمین کو
اب کسی قانون کا پابند ہونا چاہئے

O

قطعہ

تیرگی ہے بلا کی لیکن وہ
دیپ اپنا جلائے جاتا ہے

ہر طرف بہہ رہا ہے خوں پر وہ
امن کے گیت گائے جاتا ہے

کھا کے وعدہ خلافیوں کا زخم
وعدے اپنے نبھائے جاتا ہے

ہے عجب آدمی کہ بن پوچھے
وہ مرے دل میں آئے جاتا ہے

وہ کسی اور کی نہیں سنتا
بات اپنی سنائے جاتا ہے

در کھلے نہ کھلے اُسے مطلب
گھنٹیاں وہ بجائے جاتا ہے

ہو نہ ویسا کوئی ستم پرور
ہر کسی کو رُلائے جاتا ہے

O

جب بھی وہ

جب بھی وہ اپنی صدا ہو جائے گا
کون جانے کیا سے کیا ہو جائے گا

خاک ہو جائیں گی اُس کی حرمتیں
لفظ سے معنی جدا ہو جائے گا

چڑھ گیا وہ دار پر یہ سوچ کر
اس طرح شاید خدا ہو جائے گا

ڈھل گیا جب شعر میں تو دیکھنا
جذبِ دل کا حق ادا ہو جائے گا

سوچتا ہوں آج کہہ دوں سارا سچ
ہے مگر ڈر وہ خفا ہو جائے گا

سوچ کر مر جھا گیا ہے آج گُل
اپنی خوشبو سے جدا ہو جائے گ

جستجو میں ہے ابھی دامِ خیال
ایک دن دامِ ہما ہو جائے گا

O

جس جگہ جائیں گے

جس جگہ جائیں گے ہم جدھر جائیں گے
مثل خوشبو جہاں میں بکھر جائیں گے

کم نظر ہیں مرے ہم سفر سب کے سب
دشتِ ظلمت میں یہ سب اتر جائیں گے

سر پہ ماضی کے رکھے ہوئے رنج و غم
یو نہی ماتم کناں سارے مر جائیں گے

اے صبا نہ بتا مجھ کو اُن کا پتہ
اُن کو دیکھے بناں ہم گزر جائیں گے

موت کا ڈر بجا بے عمل ہم نہیں
مرتے مرتے بھی کچھ کام کر جائیں گے

زندگی خواب ہو یا حقیقت تو کیا
اس زمیں سے ہم اک دن گزر جائیں گے

O

کی تھیں جن کی

کی تھیں جن کی عمر بھر دلداریاں
کر نہ پائے وہ مری غمخواریاں

گل کھلے تو چار سو خوشبو کھلی
ہو گئیں چاروں طرف گل کاریاں

تیرے لہجے پر محبت کا گماں
دل میں اُتریں تیری باتیں پیاریاں

اِس شہیدِ عشق کو بخشی گئیں
عشق کی کیا کیا نہ طرح داریاں

کس کی نظروں کا کرشمہ ہے کہ آج
ہو رہی ہیں غزلیں اتنی پیاریاں

O

تپتی گرمی میں

تپتی گرمی میں گھٹائیں مانگنا
جب موسم میں ہوائیں مانگنا

کھو گئے جو زندگی کی بھیڑ میں
اُن سے ملنے کی دعائیں مانگنا

جن کے سر ننگے ہیں زیرِ آسماں
واسطے اُن کے ردائیں مانگنا

چاک داماں لالہ و گل کے لئے
فصل گل میں بھی قبائیں مانگنا

پر شکستہ ہو کے بھی پرواز میں
ہر زماں تازہ فضا میں مانگنا

O

جھوٹ کو سچ میں

جھوٹ کو سچ میں ملایا جا رہا ہے
اک نیا نسخہ بنایا جا رہا ہے

بُھول کر وہ بول بیٹھا کوئی سچ
دار پر اُس کو چڑھایا جا رہا ہے

چھپ کے بیٹھا تھا سرِ آفاق وہ
اب زمیں پر اُس کو لایا جا رہا ہے

جب بھی آئے آئے دن کی روشنی میں
اب یہی اُس کو بتایا جا رہا ہے

مار ڈالو خوف کے عفریت کو
جس سے انساں کو ڈرایا جا رہا ہے

O

چاروں اُور دوڑ رہے ہیں

چاروں اُور دوڑ رہے ہیں میرے پیار کے آہو
پھیل گئی ہے جنگل جنگل تیرے پیار کی خوشبو

چاند ستاروں تک پہنچے ہیں میرے لمبے بازو
پھر بھی میری پہنچ سے باہر تیرے لمبے گیسو

میں نے مانا تیرے لئے ہیں بے معنی یہ آنسو
پھر بھی اپنا چہرہ چھپا کے کیوں رویا تھاؤ

گل نے کھل کر کہہ دی ساری تیری میری بات
اور چپکے سے سُن لی اُس نے کوئل کی کُو کُو

ہر اک بستی چھانی میں نے بن کر پیار کا سادھو
دیکھ کے مجھ کو سب بھنورائے چل گیا تیرا جادو

O

چاند جلتا رہے

چاند جلتا رہا رات بھر
دل مچلتا رہا رات بھر

بے قراری کا یہ حال تھا
میں ٹھلتا رہا رات بھر

وہ بھی آنسو بہاتے رہے
میں بھی جلتا رہا رات بھر

کوئی آسیب تھا دشت میں
جو کہ جلتا رہا رات بھر

تیرگی میں بھی ننھا دیا
کیسے جلتا رہا رات بھر

O

چاند سے دیکھا

چاند سے دیکھا زمیں پیاری لگی
باقی تاروں سے کہیں پیاری لگی

سچ ہے یہ گھر خوبصورت ہے بہت
پر ہمیں گھر کی مکیں پیاری لگی

جانتے تھے اُس میں خنجر ہے نہاں
پر ہمیں وہ آستیں پیاری لگی

لگ رہا ہے عاشقوں کا جھمگٹا
اس قدر وہ مہ جیں پیاری لگی

جا چکی تھی وہ بھی اگلے موڑ پر
لمحہ بھر جو ہم نشیں پیاری لگی

O

چپ کھڑا

چپ کھڑا تو سوچتا رہتا ہے کیا
آسماں میں دیکھتا رہتا ہے کیا

مل نہ پائے گا تجھے کوئی جواب
اس خلا سے مانگتا رہتا ہے کیا

کون سمجھے گا یہاں تیری زباں
بے سبب تو بولتا رہتا ہے کیا

تہ بہ تہ پھیلی ہوئی ہے تیرگی
تیرگی میں ڈھونڈتا رہتا ہے کیا

سب زمانہ سو گیا ہے تو بھی سو
ان شبوں میں جاگتا رہتا ہے کیا

O

آخری راستہ

چل رہا ہوں
کتنی صدیوں سے فقط اک راہ پر
پھر بھی اب تک
راستے ہیں لاپتہ
اور منزل بے نشان
کون جانے اس ڈگر پر
کھو گئے ہیں میرے کتنے کارواں
کیا نہیں ممکن کہ رُک کر چند پل
سوچ کر آگے چلوں
ہو سکے تو میں بدل لوں راستہ
یا یو نہی چلتا رہوں
اور اُتروں زینہ زینہ تیرگی کے پیٹ میں
اِن اُترتی سیڑھیوں پر
اور جاؤں وقت کے
اُس مُردہ خانے کی طرف

منتظر ہیں جس جگہ
میرے سارے پیش رو
میرے سارے مہرباں

O

حرفِ تسلی

اک حرفِ تسلی کافی تھا
تیری آنکھ میں آنسو کیوں آئے
یہ دکھ تو جیون کا ساتھی ہے
اس دکھ سے من کیوں گھبرائے
راہِ عدم کے راہی ہیں
یہ جینا کیا اور مرنا کیا
اس راہ پہ ہم سے پہلے بھی
کچھ لوگ گئے کچھ لوگ آئے
اک شمع جلی تاریکی میں
اک پتہ اڑا ہواؤں میں
ہم شمع بھی بن کر جل نہ سکے
ہم پتہ بن کے نہ اڑ پائے
یہ راز و نیاز کی باتیں ہیں
کوئی بھیدی ان کو کھولے گا

لاکھ اُس نے کی تھی سرگوشی
ہم اس کی بات نہ سُن پائے
یہ کونسی منزل ہے سا تھی
حیرت کے سوا یاں کچھ بھی نہیں
اس منزل تک آتے آتے
آپ اپنے کو بھی گنوا آئے
اک حرفِ تسلی کافی تھا
تیری آنکھ میں آنسو کیوں آئے

O

خامشی سے

خامشی سے جب بھی صحر ا بولتا ہے
زندگی کے راز سارے کھولتا ہے

حوصلے صحر ا کے جب وہ دیکھتا ہے
تو سمندر کا بھی سینہ ڈولتا ہے

ریت پر جب کھینچتے ہو تم لکیریں
ہو کے پاگل پھر بگولہ بولتا ہے

گفتگو کرتا ہے وہ تمثیل میں
فکر و دانش کے وہ موتی رولتا ہے

ہے وہی دانا کہ لب کھلنے سے پہلے
جو کوئی بھی بات اپنی تولتا ہے

O

قطعه

خواب مر جائیں تو مر جاتا ہے انساں
وقت کی حد سے گزر جاتا ہے انساں
کیوں بچھاتے ہو الاؤ خواب کے تم
خواب نہ ہوں تو بکھر جاتا ہے انساں

O

خواہشوں کا جنگل

یہ کس خواہش کا دریا ہے
کہ میں جس کے کنارے
اک شجر کے سائے میں رک کر
ہزاروں سال سے بہتے
ہوئے ان پانیوں میں اپنا چہرہ دیکھتا ہوں
سوچتا ہوں
مرے اس عکس کے ان پانیوں میں
محو ہونے تک
مرے چہرے کے مٹنے تک
مجھے کن خواہشوں کے جنگلوں کو پار کرنا ہے
مجھے کس رُوپمیں ڈھل کر
ابھی کن ساحلوں پر
بس یو نہی آوارہ پھرنا ہے
مرا چہرہ اب رواں مجھ سے یہ کہتا ہے

نہیں ان تجربوں سے تھک چکا ہوں میں
مجھے آبِ رواں کی تہہ میں رہنے دو
مجھے ان پانیوں کے ساتھ بہنے دو
مرے دل کی بہت نچی تہوں سے اک صدا
ایک سرگوشی کی صورت
ڈولتی ہے اور اُبھرتی ہے
ازل سے بہتے اس دریا کے پانی میں
بنا چہرہ تو بس لمحاتی سانچہ ہے
چلو ان خواہشوں کے جنگلوں سے دور
کچھ آگے، بہت آگے
یہاں رُکناتری قسمت نہیں ہے
ابھی پلکوں پہ پھیلے نیند کے سایوں کو روکو
چلو ان خواہشوں کے جنگلوں سے دور
کچھ آگے، بہت آگے

O

خوبصورت ساحلوں کے

خوبصورت ساحلوں کے ساتھ ساتھ

اڑ رہا ہوں بادلوں کے ساتھ ساتھ

تا کہ رہ جاؤں نہ میں پیچھے کہیں

دوڑتا ہوں منزلوں کے ساتھ ساتھ

ہے مسلّٰہ اجنبی بننے کا خوف

ناچتا ہوں پاگلوں کے ساتھ ساتھ

عہدِ وحشت میں ہوں زندہ اس طرح

جیسے وحشی وحشتوں کے ساتھ ساتھ

کیا بنے گا اس جہاں کا کیا کہوں؟

منتظر ہوں دوسروں کے ساتھ ساتھ

O

دستِ خواہش

دستِ خواہش خود بخود شل ہو گیا ہے
اس طرح یہ مسئلہ حل ہو گیا ہے

ایک دُکھ تھا روح کی گہرائیوں میں
پھیل کر آنکھوں میں کا جل ہو گیا ہے

میرے مرنے کی خبر سن کر وہ بولے
تھا اُدھورا اب مکمل ہو گیا ہے

پہلے بھی دیوانگی کچھ کم نہیں تھی
اب تو وہ بالکل ہی پاگل ہو گیا ہے

کہہ رہی ہیں شہر بھر کی وحشتیں
شہر بھی اب ایک جنگل ہو گیا ہے

O

دشت میں تنہا کھڑا

دشت میں تنہا کھڑا کیا سوچتا ہوں
رفتہ رفتہ شب اُترتی دیکھتا ہوں

کون ہوں اور میں کہاں سے آگیا ہوں
ریت کے ذرے سے میں یہ پوچھتا ہوں

ایک کوا آسماں پر اُڑ رہا ہے
وہ کسی کو میں کسی کو ڈھونڈتا ہوں

اگ رہا ہے ذہن میں کیکٹس کا پودا
پھر بھی اُس کو خونِ دل سے سینچتا ہوں

ماورا ہے وہ مرے احساس سے
بند آنکھوں سے اُسے میں دیکھتا ہوں

بدگماں ہیں مجھ سے میرے ہمسفر سب
میں نہیں ہوں بس میں اتنا جانتا ہوں

ایک دن بدلے گی دنیا دیکھنا تم
تم نہ دیکھو میں ابھی سے دیکھتا ہوں

O

روز و شب تجھ کو

روز و شب تجھ کو بھلانا چاہتے ہیں
ہم ترے غم کو چھپانا چاہتے ہیں

دل بہلتا ہے چھلک جاتی ہیں آنکھیں
چھپ کے ہم آنسو بہانا چاہتے ہیں

شعرو نغمہ ہے بہانہ دل لگی کا
اس طرح ہم دل لگانا چاہتے ہیں

تھک کے دنیا سے جہاں سستا سکیں ہم
بس کوئی ایسا ٹھکانہ چاہتے ہیں

عمر گزری ہے فقط آوارگی میں
اب تو ہم بھی گھر بسانا چاہتے ہیں

گر کہے تو لوٹ آئیں آج شب ہم
پھر ترے پہلو میں آنا چاہتے ہیں

موسم گل کا تقاضہ بھی یہی ہے
لوٹنے کا ہم بہانہ چاہتے ہیں

O

شہر دل کے

شہر دل کے گلیاں کوچے ہو گئے ویران سب
کون جانے کھو گئے ہیں کس جگہ مہمان سب

دکھ رہا ہے ہر طرف اک اُجڑے میلے کا سماں
کیوں بڑھا کر چل دیئے بازار سے دُکان سب

پہلے تھی اُمید کہ بس جائے گا یہ شہر پھر
ہو گئے معدوم اسکے بسنے کے امکان سب

کٹ گئے جب سب شجر تو آئے گی کیسے بہار
لُٹ چکا ہے موسم گل کا یہاں سامان سب

جانے والے جا چکے ہیں منتظر بیٹھے ہو کیوں
مثلِ نرگس چشمِ تریں روک کر طوفان سب

O

عشق کا وہ استعارہ

عشق کا وہ استعارہ بن گیا
اس طرح روشن ستارا بن گیا

زندگی طوفان کی نظروں میں تھی
ایسے میں وہ اک کنارہ بن گیا

چپکے سے وہ دل میں آیا اور پھر
رفتہ رفتہ جاں سے پیارا بن گیا

ہے مبارک روشنی کا یہ سفر
اُس کا آنا اک اشارہ بن گیا

ہوں کھڑا کہسار کی چوٹی پہ میں
وہ مری قسمت کا تارا بن گیا

O

عشق

دو عالم کو جلا دیتا ہے عشق
خلش ساری مٹا دیتا ہے عشق
بظاہر لے کے انساں سے سبھی کچھ
اُسے انساں بنا دیتا ہے عشق

O

خشک تھے دھرتی کے لب

خشک تھے دھرتی کے لب بادل کہیں برسا نہ تھا
جس کی آنکھوں میں نہ ہو آنسو کوئی ایسا نہ تھا

جنگلوں میں جا کے شاید سو گئی تھی چاندنی
تھک گئے تھے سب ستارے چاند بھی نکلا نہ تھا

سوچتا تھا اُن سے کہہ دوں گا میں اپنے دل کی بات
اُن سے مل کر حرف کوئی ہونٹ تک آتا نہ تھا

چاند سے میں گفتگو کرتا رہا تھا رات بھر
میری باتیں سُن کے وہ بھی رات بھر سویا نہ تھا

کس کی سانسوں کی مہک لپٹی تھی میرے جسم سے
میرے بستر میں کوئی میرے سوا لیٹا نہ تھا

O

ہر کسی سے
ہر کسی سے محبتیں رکھنا
مت کسی سے عداوتیں رکھنا

ملنا ہر ایک سے محبت سے
کیا دلوں میں کدورتیں رکھنا

سب سے رکھنا خلوص کا رشتہ
سب سے ملنے کی چاہتیں رکھنا

خوشبوؤں کی طرح بکھر جانا
گفتگو میں لطافتیں رکھنا

بھولنا مت خدائے برتر کو
یاد اُس کی عنایتیں رکھنا

O

کبھی تُو

کبھی تُو اور کبھی تیری ادائیں یاد آتی ہیں
جہاں گھومے پھرے تھے وہ فضا میں یاد آتی ہیں

کسی کو ہسار کی چوٹی سے جب تم نے پکارا تھا
پہاڑوں میں جو گونجی تھیں صدائیں یاد آتی ہیں

تری زلفوں کا لہرانا کبھی گر یاد آتا ہے
ہوا کے دوش پر اڑتی گھٹائیں یاد آتی ہیں

ہمیشہ مسکرانے کی ہمیشہ ساتھ رہنے کی
جو ہم نے مل کے مانگی تھیں دعائیں یاد آتی ہیں

چمٹ جاتی تھی سینہ سے مرے خنکی سے گھبرا کر
پہاڑوں کی وہ برفیلی ہوائیں یاد آتی ہیں

سلیقہ رنگ چننے کا فقط تجھ سے کوئی سیکھے
وہ ملبوسات وہ تیری ردائیں یاد آتی ہیں

حوادث کے تھیٹروں نے مٹا ڈالے ہیں سب منظر
مگر اب بھی تری اکثر ادائیں یاد آتی ہیں
O

محبت کا سفر

محبت کا سفر کافی کڑا تھا
ہر اک رستے میں اک پتھر پڑا تھا

اُترتے پار دریا سے تو کیسے
اثاثہ اپنا اک کچا گھڑا تھا

سُنا تے داستانِ عشق کس کو
وہاں ہر آدمی مُردہ پڑا تھا

فراق و وصل کی خواہش سے گزرا
مرے دل پر ترا احساں بڑا تھا

سفر سے واپسی ہوتی تو کیسے
ستاروں سے بھی آگے میں کھڑا تھا

O

فراقِ یار

فراقِ یار نے بخشی ہیں دل کو رونقیں کیا کیا
سجی رہتی ہیں ہر لمحہ یہاں پر محفلیں کیا کیا

کبھی لگتا ہے دل میں بھولی بسری یادوں کا میلہ
کبھی آتی ہیں یاد اُس بے وفا کی عادتیں کیا کیا

ہمارے شہر کے ڈیرے اُسی کے دم سے تھے آباد
نہیں ہے وہ تو اُجڑی ہیں یہاں پر محفلیں کیا کیا

چلو اُس کو کہیں پر جا کے پھر سے ڈھونڈ لاتے ہیں
اگر وہ مل گیا تو پھر ملیں گی شہر تیں کیا کیا

ہمیں دکھ ہے کہ رنجیدہ ہے وہ بھی اِس جدائی پر
ستاتی اُس کو بھی ہوں گی ہماری چاہتیں کیا کیا

وہ روٹھا ہے تو مانے گا فقط اشکِ ندامت سے
یہ وہ طوفاں ہے مٹ جاتی ہیں جس سے نفرتیں کیا کیا

محبت سے دھڑکتے ہیں سبھی دل اس زمانے میں
محبت بانٹتی ہے اس جہاں میں راحتیں کیا کیا

O

قطعه

کفر سے مطلب نہ کچھ ایمان سے
کچھ اگر مطلب ہے تو انسان سے
کعبہ ہم جائیں اگر تو جائیں کیوں
میکدے جائیں گے سو جی جان سے

O

کس طرح

کس طرح میری محبت بن گیا
پہلے عادت پھر ضرورت بن گیا

جس کے بارے میں کبھی سوچا نہ تھا
رفتہ رفتہ میری قسمت بن گیا

شہر میں چرچا تھا اُس کے حسن کا
اُس سے ملنا میری شہرت بن گیا

حیرتوں کا اک جہاں ہے روبرو
دیکھ کر میں چشم حیرت بن گیا

برق چمکی جب بھی دی اُس نے صدا
سامنا اُس کا قیامت بن گیا

اس کا آنا بام پر مثلِ قمر
زندگی کی اک حرارت بن گیا

جب بھی ٹوٹا زندگی میں حوصلہ
بن کہے وہ میری ہمت بن گیا

O

کسی سے دل لگا کر

کسی سے دل لگا کر بھول جانا اُس کی عادت ہے
کسی سے وعدہ کر کے پھر نہ آنا اُس کی عادت ہے

کبھی خوابوں میں آکر دل جلانا اُس کی عادت ہے
اگر آنا تو پھر بھی منہ چھپانا اُس کی عادت ہے

کبھی کہنا ہمارے بن اُسے جینا نہیں آتا
کبھی کہنا محبت میں ستانا اُس کی عادت ہے

کہاں سے سیکھتے ہو یہ ادائیں جب یہ کہتے ہیں
تو فوراً ہی بنا لینا بہانا اُس کی عادت ہے

شب بیدار کی باتیں ہوں تو شان بے نیازی سے
جھٹک کر زلف کو پھر مسکرانا اُس کی عادت ہے

O

قطعه

کسی مفلس کے جب سارے سہارے ٹوٹ جاتے ہیں
فلک پر شدتِ غم سے ستارے ٹوٹ جاتے ہیں
سمندر توڑ دیتا ہے سب اپنے ضبط کے بندھن
یہاں تک کہ سونامی سے کنارے ٹوٹ جاتے ہیں

O

قطعه

مدتوں رہتے ہیں ہم محو سفر
تب کہیں منزل کوئی آئے نظر
منزلیں بن جاتی ہیں آخر سراب
رائیگاں جاتے ہیں آخر سب سفر

O

نام لکھوا کر

نام لکھوا کر تم اپنا عاشقوں میں
اب اکیلے پھر رہے ہو جنگلوں میں

جن سے بڑھتا ہے فشارِ خوں بدن میں
دل گھرا رہتا ہے ایسی خواہشوں میں

گھر سے نکلو پہن کر تم گرم کپڑے
اب کے سردی ہے زیادہ موسموں میں

ہے نظر کا دھوکہ یہ لف و نشر
پھر رہا ہوں میں فضا کی وسعتوں میں

شہر کی سڑکوں پہ یہ آوارہ کتے
کیا ہیں شامل آدمی کے دوستوں میں

شیخ صاحب آپ کے حُسنِ نظر کا
ہو رہا ہے چرچا اب تو دشمنوں میں

O

قطعہ

وقت کو زنجیر پہنائے گا کون
اب کے طوفانوں سے ٹکرائے گا کون
ہو چکے ہیں سارے ساحل لاپتہ
کشتیوں کو کھینچ کر لائے گا کون

O

وہ ستم ہم پہ
وہ ستم ہم پہ ڈھاتے رہے
ہم مگر مسکراتے رہے

اُن کے ہر حکم پر بار ہا
توڑ کر چاند لاتے رہے

ہم مکرر کی تکرار پر
شعر اُن کو سناتے رہے

ختم ہو نہ سکیں رنجشیں
ناز اُن کے اٹھاتے رہے

ہم نے بخشی اُنہیں زندگی
جو ہمیں ہی مٹاتے رہے

ختم اُن سے تعلق ہوا
گل وہ ایسے کھلاتے رہے

ہجر کی شب ڈھلی درد میں
یاد رہ رہ کے آتے رہے

O

ہائے ہاتھ اُس کا

ہائے ہاتھ اُس کا چھڑانا موڑ پر
یاد ہے اُس کا بہانہ موڑ پر

جانتا ہوں اب نہیں لوٹے گا وہ
پھر بھی جاتا ہوں روزانہ موڑ پر

سالہا پہلے جہاں مچھڑے تھے ہم
بن گیا ہے اب ٹھکانہ موڑ پر

سرجھکائے منتظر ہیں سب شجر
گویا ٹھہرا ہے زمانہ موڑ پر

زرد پتوں پر لکیریں خون کی
کہہ رہی ہیں اک فسانہ موڑ پر

وہ ملے تو اُس سے کہنا آج بھی
منتظر ہے اک دوانہ موڑ پر

O

ہم کہ گھائل ہیں
ہم کہ گھائل ہیں تمہارے تیر غم کے
ہو گئے ہیں خوگر اپنی چشم نم کے

دل سلامت ہے نہ اب اپنا گریباں
ہم نہیں قائل کسی بھی کیف و کم کے

بارہا جاتے ہیں تیرے در پہ اب
ہم کہ رسیا تھے کبھی اُس جام جم کے

آج ہیں ناشاد تو کل شاد ہوں گے
ہم ہیں عادی زندگی میں زیر و بم کے

دید کی لذت پہ مرتے آئے ہیں ہم
کیوں سنیں قصے کسی باغِ ارم کے

آنسوؤں سے سینچیں گے ہم کشتِ دل
ہم نہیں قائل کسی بھی اور نم کے

بانٹتے ہیں چاند سورج روز و شب ہم
وہ کہاں ہیں اہل ہیں جو اس کرم کے

جس کا رونارور ہی ہے ساری خلقت
ہم بھی کشتہ ہیں اُسی تیغِ ستم کے

○

ہو گئی اس سے محبت
ہو گئی اُس سے محبت کس طرح
بن گیا میری ضرورت کس طرح

پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے جیب میں
تم کرو گے اُس کی خدمت کس طرح

شکر کرنا تھا کبھی جس کا شعار
بن گیا حرفِ شکایت کس طرح

تو نے گر اُس کی پذیرائی نہ کی
تو چلے گی یہ محبت کس طرح

مشغلے ہیں یہ تو اہلِ عشق کے
تو نے اپنا لی یہ عادت کس طرح

زندگی کم ہے محبت کے لئے
لوگ کر لیتے ہیں نفرت کس طرح

کھیلتے ہو رات دن الفاظ سے
ہے میسر اتنی فرصت کس طرح

O

قطعہ

ہوتے ہیں آخر نگوں وقت کی دہلیز پر
مٹتے ہیں سارے فسوں وقت کی دہلیز پر
فرد ہو یا قوم ہو سب کا ہوتا ہے مآل
سب کا ہو جاتا ہے خوں وقت کی دہلیز پر

O

قید کر

قید کر لیکن رہائی کا مجھے تُو حق تو دے
کر ستم لیکن دہائی کا مجھے تُو حق تو دے

عمر بھر رکھ اپنی زلفوں میں بھلے مجھ کو اسیر
اے ستم گر بے وفائی کا مجھے تُو حق تو دے

مانتا ہوں دی ہے تُو نے عشق میں دیوانگی
خود سے لیکن آشنائی کا مجھے تُو حق تو دے

ایسا بھی کیا عمر بھر تیرے لئے تڑپا کروں
ہاں مگر خود تک رسائی کا مجھے تُو حق تو دے

باندھ رکھا ہے مجھے تُو نے ہزاروں سال سے
اے خدا خود سے جدائی کا مجھے تُو حق تو دے

O

کس محبت سے

کس محبت سے کیا تراشا ہے
اک صنم بے وفا تراشا ہے

توڑ ڈالوں میں کس طرح اُس کو
ایک رنگِ انا تراشا ہے

کیا کہیں کتنے درد سے ہم نے
اُس کو خود سے جدا تراشا ہے

دل کی تنہائیوں سے گھبرا کر
ہم نے اک آشنا تراشا ہے

نقش کچھ مختلف سے ہیں لیکن
کیا بتائیں کہ کیا تراشا ہے

O

اے مری جاں

اے مری جاں تو مری جاں ہے حریفِ جاں نہ بن
درد ہے تو درد ہی رہ درد کا درماں نہ بن

مدتیں گزری ہیں گزرے عالمِ امکان سے
میری خاطر بارِ دیگر زیست کا امکان نہ بن

تُو نے بخشا خاک کے ذرے کو ذوقِ زندگی
اے شرارِ عشق اب تو حشر کا ساماں نہ بن

درد والے جانتے ہیں درد والوں کی زباں
تُو سراپا درد ہے تُو اشک بن طوفاں نہ بن

دیکھتا ہوں آسماں پر تیرے قدموں کے نشان
عالمِ امکان میں تُو منجمد امکان نہ بن

O

دشمنوں سے

دشمنوں سے دوستی کرتے رہے
زندگی سے دل لگی کرتے رہے

جنگلوں میں چاندنی روتی رہی
ہم فضا میں روشنی کرتے رہے

دیکھ کر برگِ خزاں کے رنگ ہم
عمر بھر آوارگی کرتے رہے

آسماں پر کھینچ گئی خونی لکیر
لوگ ایسے دشمنی کرتے رہے

اے ہواؤ کچھ تو دو اُن کا پتہ
جل کے خود جو روشنی کرتے رہے

O

شام غم ہے

شام غم ہے میکدہ ہے اور چھلکتا جام ہے
سوچتا ہوں کیا محبت کا یہی انجام ہے

رات بھر آوارہ پھرنا خواب آنکھوں میں لئے
عشق کرنا آپیں بھرنا اب یہی اک کام ہے

زخم جتنے بھی ملے سب رفتہ رفتہ بھر گئے
زخم جو تُو نے دیا ناقابلِ آرام ہے

سردراتیں، زرد تارے، اور ویراں راستے
نہ تو کوئی سنگ زن ہے نہ کوئی دشنام ہے

عشق کی بستی ہے یہ دستور ہے یاں کا الگ
ہل نہ پائیں لب اگرچہ دل میں یاں کھرام ہے

دیکھئے اب کیسے بچتے ہیں یہاں پر جان و دل
ہر نظریاں تیرے ہر زلف یاں پر دام ہے

O

وہ عادی ہے

وہ عادی ہے ستم سہتا رہے گا
لہو کب تک مگر بہتا رہے گا

منافق وہ نہیں جو چپ رہے گا
جو سچ سمجھے گا وہ کہتا رہے گا

چھپا ہے درد کتنا چشمِ تریں
یہ دریا کیا یونہی بہتا رہے گا

کرو انصاف مخلوقِ خدا سے
وہ مردِ حق ہے حق کہتا رہے گا

نہیں امکان کوئی ہم سے چھپ کر
ہمارے دل میں وہ رہتا رہے گا

O

نگاہِ عشق

نگاہِ عشق میں مشہور کیا ہے
یہاں جمشید کیا فغفور کیا ہے

کرو جیسے بھی اظہارِ محبت
یہاں فرہاد کیا منصور کیا ہے

یہ دل ہے یہ جگر ہے اور یہ جاں ہے
تمہی بولو تمہیں منظور کیا ہے

رہو آنکھوں میں یاد دل میں رہو تم
یہاں پر پاس کیا ہے دور کیا ہے

گزر جاؤ مکان و لامکاں سے
یہاں مختار کیا مجبور کیا ہے

O

نشانہ تمہارا

نشانہ تمہارا خطا ہو گیا ہے
وہ کیسے کسی اور کا ہو گیا ہے

وہ کھاتا تھا قسمیں کہ ہے وہ تمہارا
ذرا سوچو کیسے جدا ہو گیا ہے

وفا میں تم اُس کی مرے جا رہے ہو
وہ کس شان سے بے وفا ہو گیا ہے

نصیبوں کی باتیں نصیبوں پہ چھوڑو
نصیبہ کیا اتنا بُرا ہو گیا ہے

جو کہتا رہا ہے تمہیں لن ترانی
کہاں جا کے وہ بے ردا ہو گیا ہے

فراغت ملے تو ذرا غور کرنا
یہ کیوں ہو گیا ہے یہ کیا ہو گیا ہے

O

ہونہ خواہش تو

ہو نہ خواہش تو سفر ممکن نہیں
اس حقیقت سے مفر ممکن نہیں

ہم وہ راہی ہیں کبھی رکتے نہیں
چل پڑیں تو پھر حضر ممکن نہیں

دردِ دل لازم ہے ہر فن کے لئے
دردِ دل بن ہو اثر ممکن نہیں

ہو رہا ہے کیا فرشتوں کا نزول
بن وسیلے کے خبر ممکن نہیں

چاہئے کوئی نظر کے سامنے
ورنہ فن کا یہ سفر ممکن نہیں

O

پیکرِ درد

کیا یہ ممکن ہے
کہ دل کے درد کو
الفاظ کا پیکر ملے
کیا یہ ممکن ہے
کہ احساسات کے پردوں میں پنہاں
ایسی تصویروں کو
جو روح کی گہرائیوں میں
رحمِ مادر میں چھپے
اُن اُن ہوئے بچوں کی مانند
تیرتی رہتی ہیں
یا پھر اس خلا میں تیرتی اُن کہکشاؤں کی طرح
انسان کی چشمِ تجسس کو
سدالکار تی ہیں
کہ اُنہیں اظہار کا پیکر ملے

اظہار کا پیکر کہ جس کی سلوٹوں میں سے
اُڈتی روشنی سے
چشمِ انساں میں نہاں
وہ سارے منظرِ اس طرح سے صاف ہو جائیں
کہ جس کی برکتوں سے
ہر نیا دن اک نیا دن ہو
نیا دن جس سے انساں درد کے اُن ضابطوں کو
الوداع کہہ دیں
ہاں یہ ممکن ہے
کہ دل کے درد کو اظہار کا پیکر ملے

O

ساتھ اُس کے

ساتھ اُس کے دوسرا دیکھا نہیں
یوں تو تنہا ہے مگر تنہا نہیں

لاجوردی آسماں ہے گردِ راہ
اِس لئے وہ اُس جگہ رکتا نہیں

ریگزاروں سے محبت ہے اُسے
ہاں مگر وہ دشت میں رہتا نہیں

سب زمانے اُس کی مٹھی میں ہیں بند
جانتا ہے وہ مگر کہتا نہیں

ہم نے دیکھا ہے اُسے سورنگ میں
وہ کسی اک رنگ میں بستا نہیں

O

درد ہو تو

درد ہو تو درد کا درماں بھی ہو
شامِ غم ہو مے اور جاناں بھی ہو

ہے اگر بیمار یہ دل تو جناب
تندرستی کا کوئی امکاں بھی ہو

رہے رکھے غیر سے وہ شوق سے
ہاں مگر میرا کبھی مہماں بھی ہو

رُوبرُو ہیں جلوہ ہائے رنگ رنگ
اب علاجِ تنگی داماں بھی ہو

ہو چکے ہیں جمع سارے دوست یاں
رنگ و رامش کا کوئی ساماں بھی ہو

O

شہر قاتل

شہر قاتل کی فضا دیکھا کئے
ہم جفاؤں میں وفا دیکھا کئے

ہو رہے ہیں کیا تماشے کیا کہیں
شہر کی آب و ہوا دیکھا کئے

تیز تر ہے وقت کی رفتار اب
ہم کھڑے بس راستا دیکھا کئے

بُجھ گیا آخر چراغِ رہزور
لوگ سارے حادثہ دیکھا کئے

لٹ گئی اُس کی متاعِ جان و دل
اجنبی اور آشنا دیکھا کئے

کیا ہوئے وہ صوفیانِ باصفا
جو کہ دُڑوں میں خدا دیکھا کئے

ہو چکے متروک سارے ضابطے
مفتیانِ دین کیا دیکھا کئے

کوئی آیا ہاتھ پکڑا لے گیا
ہم فقط رنگِ حنا دیکھا کئے

O

طبعیت کبھی جو

طبعیت کبھی جو رواں دیکھتے ہیں
معانی کے تازہ جہاں دیکھتے ہیں

نگاہوں میں جلوے ہیں حُسنِ ازل کے
کہیں کیا کہ کیا کیا نشان دیکھتے ہیں

کوئی ہم سے پوچھے ترا حُسنِ تاباں
ہے نورِ سراپا جہاں دیکھتے ہیں

بھرے جی جو اس سے تو آگے بڑھیں ہم
ابھی تیرا حُسنِ بیاں دیکھتے ہیں

ابھی کوئی گزرا ہے دشتِ وفا سے
بہت دور جاتے نشان دیکھتے ہیں

رہی ہے ہمیں بھی کوئی اُن سے نسبت
جو قطرے میں دجلہ نہاں دیکھتے ہیں

غبارِ سرِ راہِ جاناں ہیں ہم بھی
وہ آتا ہے سوئے مکاں دیکھتے ہیں

O

اک نیا چہرہ

اک نیا چہرہ نئی آنکھیں ملیں گی
اس بدن کو پھر نئی سانسیں ملیں گی

وقت کو بھی اک نیا چہرہ ملے گا
کچھ نئے دن کچھ نئی راتیں ملیں گی

ہوں گے سب اپنی محبت پر نثار
عاشقوں کو ایسی سوغاتیں ملیں گی

موسموں پر جبر کا سایا نہ ہو گا
گردشِ دوراں کو پھر ماتیں ملیں گی

حُسنِ دائم ہے محبت لا زوال
دیکھنے والی ہمیں آنکھیں ملیں گی

O

نہ جانے یہ زمانہ

نہ جانے یہ زمانہ کیا زمانہ ہے
جہاں ہر چہرہ اک تازہ فسانہ ہے

ہوئیں ماتمی نغمے سناتی ہیں
سبھی ہونٹوں پہ اک زخمی ترانہ ہے

ہے مذہب نام گراک حیلہ سازی کا
سیاست بھی تو اک مکروہ بہانہ ہے

ہمارے عہد کی بے چہرگی دیکھو
کہ انساں کیسے انساں کا نشانہ ہے

O

صنم صنم
صنم صنم پکارتے کہاں کہاں نہ ہم گئے
ہمارا حال دیکھ کر تمام لوگ تھم گئے

یہاں نہیں وہاں ہے وہ وہاں نہیں یہاں ہے وہ
وہاں وہاں پڑا نظر جہاں جہاں نہ ہم گئے

محبّتوں کے قافلے رُکا کئے چلا کئے
تلاش میں تری گئے جہاں جہاں قدم گئے

کبھی حرم نشیں ہوئے کبھی کنشت میں گئے
کہیں پہ سر کے بل گئے کہیں بچشمِ نم گئے

اگر نہیں صنم ملا تو کچھ نہیں ہمیں گلہ
گلہ ہے بس تو اس قدر کہ دل سے سارے غم گئے

اگر کبھی وہ آ گیا تمام نظریں اٹھ گئیں
سروں کے رُخ بدل گئے تو گردنوں کے خم گئے

قرارِ جاں جسے کہا وہی ہمیں نہیں ملا
اگر ملا تو اس طرح کہ اپنی جاں سے ہم گئے

O

حرفِ انکار

ہوا تازہ تازہ فضا خوشگوار
چمن پر ہے چھایا ہوا اک خمار
فلک پر نمایاں ہوا ایک عکس
جسے دیکھ کر سب ہوئے محورِ قص
زمینِ رقص سے تھر تھرانے لگی
خزانے وہ اپنے لٹانے لگی
ہوا نے سنائی عجب داستاں
جسے سُن کے دل خوش ہوا بے گماں
ہوانے کہا یہ مرے کان میں
مری بات سُن تو ذرا دھیان سے
تو کیا دیکھتے ہو فلک پر وہ عکس
اُسی سے زمانہ ہے سب محورِ قص
نئے دور کی اک علامت ہے وہ
امنگوں سے تیری سلامت ہے وہ

زمانہ بدلنے کو ہے عنقریب
ابھی رونما ہوں گی باتیں عجیب
جو باتیں بظاہر ہیں خواب و خیال
ہے جن کو سمجھنا بظاہر محال
ہے بچھنے کو یاں ایک تازہ بساط
ہے جو باعثِ فرحت و انبساط
زمانے کا منظر بدلنے کو ہے
ہر اک گرنے والا سنبھلنے کو ہے
بدلنے کو ہے اب یہ زر کا نظام
رہے گا نہ کوئی کسی کا غلام
سنا دو زمانے کو اب یہ نوید
بہت جلد آنے کو ہے روزِ عید
بچے گا نہ اب کوئی کاغذ کا بھوت
رہے گا نہ کوئی بھی زر کا سپوت
الٹ جائے گی جلد اب یہ بساط

کرو تازہ اب تم جہاں نشاط
ہوانے سنائی یہ جب داستاں
تو چلنے لگے دشت میں کارواں
ستارے بھی رستہ بدلنے لگے
پرندے شجر پر چہکنے لگے
ہواؤں میں گھلنے لگا اک سرور
فضا میں بھی پھیلا نیا ایک نور
علامت فلک پر نہاں ہو گئی
نئے دور کا وہ نشاں ہو گئی
یہ سب سن کے شاعر ہوا نغمہ خواں
اٹھیں لے کے انگڑائیاں نوجواں
بدل دیں زمانے کے اطوار کو
نئے معنی دیں حرفِ انکار کو

O

سفیرانِ شب

کھلی آنکھ جو شب کے پچھلے پہر
درتچے سے ڈالِ فلک پر نظر
تھی چھائی ہوئی تیرگی ہر طرف
نموشی کا دورہ تھا چاروں طرف
ستارے فلک پر تھے بکھرے ہوئے
نہائے ہوئے اور نکھرے ہوئے
تخیر کی نظروں سے تکتے ہوئے
شبِ تیرگی میں چمکتے ہوئے
ہوئے مجھ سے وہ اس طرح ہمکلام
سحر خیزی کا گر کرو اہتمام
تو کھولیں گے ہم تم پہ سر جہاں
رہے گانہ پھر کچھ بھی تم سے نہاں
سمجھ جاؤ گے تم حقائق سبھی
تمہیں جان لیں گے ملائک سبھی

سُنی میں نے جب یہ ستاروں کی بات
طرف اُن کی میں نے بڑھائے تھے ہاتھ
کہا اُن سے میں نے کہ اے زندہ دارو
زمیں کے عزیز و فلک کے پیارو
نہیں مجھ کو کوئی بھی ایسی طلب
مرے لوگ ہیں سب کے سب جاں بلب
نہ جیتے ہیں یہ اور نہ مرتے ہیں یہ
شب و روز بس نالہ کرتے ہیں یہ
ہمیشہ ہیں مذہب میں یہ گرم جوش
یہ گندم نما ہیں مگر جو فروش
کبھی تم نے دیکھے ہیں کیا ایسے لوگ
ہوں لاحق جہاں میں جنہیں ایسے روگ
بتاؤ تو ہے کوئی ان کا علاج
کہ یہ ہو چکے ہیں بس اب لا علاج
یہ سُن کر ستاروں نے لیں جھڑیاں
فلک زادوں نے بھی بھری سسکیاں

کہا مجھ سے اے شاعرِ بد نصیب
ترے لوگ سب ہیں عجیب و غریب
ہیں لیتے بظاہر محمد کا نام
ہیں لیکن یہ ابلیس کے سب غلام
نہیں ان کو نسبت نبی پاک سے
وہ تھے نور سے اور یہ ہیں خاک سے
وہ جہدِ مسلسل سراپا عمل
یہ کھاتے فقط ہیں دعاؤں کا پھل
تو کہہ ان سے گر یہ سنیں تیری بات
کہ تقدیر کو دیں عمل سے یہ مات
اگر باندھ لیں سب شکم پر یہ سنگ
تو مٹ سکتے ہیں ان کے بھوک اور ننگ
تو ہو سکتی ہے ان کی اب بھی نجات
سنور سکتی ہے ان کی اب بھی حیات
یہ سن کر ستاروں سے میں نے کہا

مرے شب بیدارو بہت شکریہ
میں دے دوں گا ان کو تمہارا پیام
چمک جائے دنیا میں ان کا بھی نام

O

مکالمہ بین علم و شاعر

منور زمیں تھی کھلا آسمان
کہوں کیا کہ کتنا حسین تھا سماں
کھڑا تھا میں چوٹی پہ کہسار کی
عجب کیفیت تھی دل زار کی
مرے ذہن میں تھا فقط اک سوال
ترقی ہے کیا اور کیا ہے زوال
کچھ اقوام ہیں کیوں یہاں سر بلند
ہیں کچھ زیر دست اور کچھ دردمند
تجسس میں تھا یہ دل ناتواں
دکھائی دیا اک وجہ نوجواں
اُسے دیکھ کر میں تعجب میں تھا
وہ چوٹی پہ کیوں کر ہے آکر کھڑا
جو دیکھا مجھے تو وہ آیا قریب
مجھے یہ لگا جاگا میرا نصیب

میں سمجھا کہ کوئی فرشتہ ہے وہ
مرا غم مٹانے کو اُترا ہے وہ
کیا اُس کو میں نے ادب سے سلام
محبت سے پوچھا ہے کیا اُس کا نام
کہا اُس نے کہتے ہیں علم اُس کو سب
ہاں خیراً کثیر اُس کو کہتا ہے رب
کہا اُس سے میں نے سنا ہے یہ نام
مگر ہو رہا ہوں ابھی ہم کلام
کہا میں نے چوٹی پہ کیوں ہیں جناب
"یہاں آ کے کرتا ہوں اپنا حساب"
دیا اُس نے یہ مختصر سا جواب
یہ سُن کے کہا میں نے عالی جناب
کرے گا بھلا علم کیوں کر حساب
سُنی نوجواں نے مری جب یہ بات
محبت سے تھا مرا اُس نے ہاتھ

اُٹھا کر نظر پھر سوئے کھکشاں
کہا کیا سنو گے مری داستاں؟
ہمیشہ میں رہتا ہوں محو سفر
ہے زرخیز قوموں پہ میری نظر
کئے ہیں عطا مجھ کو حق نے وہ پر
جہاں میں نہیں رکتا میرا سفر
نہ انجام میں ہوں نہ آغاز میں
ہمیشہ میں رہتا ہوں پرواز میں
خبر رکھتا ہوں سب کے احوال کی
نہیں دسترس میں کسی جال کی
جہاں دیکھتا ہوں محبت کا نور
اترتا ہوں میں اُس جگہ پہ ضرور
کوئی قوم لے میرا دامن جو تھام
بناتا ہوں اُس کو جہاں میں امام
وہ رکھتے ہیں جب تک مجھے سر بلند
میں رکھتا ہوں تب تک اُنہیں ارجمند

یہاں تک کہ تھکتے ہیں اُن کے قدم
وہاں گھٹنے لگتا ہے میرا بھی دم
میں پاتا ہوں اُن میں تھکن کے نشان
سفر پر نکل پڑتا ہوں بے گماں
چھڑاتے ہیں وہ میرے ہاتھوں سے ہاتھ
وہ ہوتے ہیں دنیا میں رُوبہ زوال
اُنہیں بھول کر آگے بڑھ جاتا ہوں
کوئی پھر نئی سرزمین پاتا ہوں
جو کرتی ہے میرا پھریرا بلند
میں کرتا ہوں اُس کو یہاں ارجمند
میں جُٹ جاتا ہوں اُس کی تعمیر میں
مدد دیتا ہوں اُس کو تسخیر میں
کوئی قوم جو چاہے پانا عروج
کرے وہ جہالت سے پہلے خروج

دل و جاں سے رکھے مجھے وہ عزیز
بناتا ہوں اُس کو میں ہر دل عزیز
سُنی میں نے جب علم کی گفتگو
ہوئی دل میں پیدا نئی جستجو
کہا میں نے کہہ اے سفیر حیات
جہالت کی ہوتی ہیں کیا کیا جہات
سنا علم نے جب مرا یہ سوال
کہا غور سے سُن تُو اے کہنہ سال
جو قومیں جہاں میں اٹک جاتی ہیں
مری راہ سے وہ بھٹک جاتی ہیں
نئے اور بہتر کی ہر دم تلاش
کوئی نظریہ ہو کہ یا ہو معاش
جہاں میں یہی ہے مرا اک اصول
کرے جان و دل سے اسے جو قبول
دل و جاں سے اس پر کرے پھر عمل
ترقی کرے گا وہ ہر ایک پل

O

چشم قاتل

چشم قاتل کا فسوں چلتا رہے
یوں محبت کا جنوں چلتا رہے

یہ جہاں جیسا بھی ہے چلتا رہے
یوں نہیں کہ جوں کا توں چلتا رہے

کاروانِ عشق چلنا چاہئے
ہم بتائیں کیا کہ کیوں چلتا رہے

ہم نہیں وہ جن کا ہے یہ نظریہ
خوار ہو یا کہ زبوں چلتا رہے

رنگ لائے اشک افشانی مری
چاہے ان آنکھوں سے خوں چلتا رہے

O

عالمی نظام زر

سمندر کے ساحل پہ کل میں کھڑا
سمندر کی موجوں سے تھا کھیلتا
بہت تھا اگرچہ ہواؤں کا زور
لبھاتا تھا دل کو سمندر کا شور
فلک پر نظر آ رہا تھا قمر
یوں لگتا تھا سستا رہا ہے قمر
ہے فطرت اگرچہ بہت ہی حسین
ہر اک چیز ہے ایک ترشا نگین
سمندر کی موجوں سے الجھا خیال
اٹھے ذہن میں بے تحاشا سوال
یہ فطرت ہے فیاض انساں بخیل
نہ جانے ہے انساں کیوں اتنا زریل
ہے جینے کو سب سے ضروری ہوا
خدا نے بنائی ہے بے انتہا

ہے پینے کو پانی بھی تو لازمی
زمین پر نہیں کچھ بھی اس کی کمی
تو مرتے ہیں انسان کیوں پیاس سے
سکتے ہیں ہر دم وہ افلاس سے
سمندر نے دیکھا مجھے ایسے گم
تو اچھلا کناروں سے وہ ایک دم
کہا اس نے مجھ سے اے مردِ غریب
زمین پر ہے انساں خدا کا حبیب
مگر ہے یہ فطرت میں اپنی حریص
بجا ہے کہو تم اسے گر خسیں
بنایا ہے اس نے وہ زر کا نظام
کہ انسان سب بن گئے ہیں غلام
اگرچہ ہر اک شے کی بہتات ہے
مگر مردِ زر اتنا کم ذات ہے

یہ کرتا ہے سپلائی میں بیش و کم
بناتا ہے یوں وہ دینار و درم
بڑھی جاتی ہے پھر بھی اس کی ہوس
کبھی بھی یہ کہتا نہیں ہے کہ بس
کھلی جنگ فطرت سے ہے یہ نظام
خلاف اس کے انساں کھڑے ہوں تمام
ہے اس کا تقاضہ کہ ہو جمع زر
بھلے جائیں سارے ہی انسان مر
ضرورت سے زائد وہ جمع کرے
حفاظت میں پھر اُس کی جنگیں لڑے
مریں ایسی جنگوں میں انساں یہاں
کبھی امن ہونے نہ پائے یہاں
ہے لازم کہ ہو ختم زر کا نظام
یہاں امن کا مستقل ہو قیام

سمندر نے دیکھا مرا پیچ و تاب
کہا مجھ سے اے شاعرِ لا جواب
کریں سارے انسان گراہتمام
ہے ممکن کہ قائم ہو ایسا نظام
ضرورت ہو پوری سبھی کی یہاں
نہ بھوکا رہے پھر کوئی بھی یہاں
بہت ہو چکی ہیں یہ جنگیں یہاں
ہیں کچلی گئی سب اُمتیں یہاں
کرے فیصلہ آج ہر ایک انسان
یقین مانیں اس کا طریقہ ہے آساں
ضرورت سے زائد نہ رکھے کوئی
اذیت نہ غربت کی چکھے کوئی
کھلیں سب پہ دنیا میں عزت کے در
رہے نہ کوئی بھی یہاں در بدر
کسی کا نہ جینا یہاں ہو محال
جہاں میں ہوں انسان سب لازوال

O

زندگی کی خزاں

کہوں کیا کہ کیا تھے بہاروں کے دن
بہاروں کے دن اور نظاروں کے دن
فضاؤں پہ طاری تھا ہر دم خمار
یہ دل ہوتا تھا ہر کسی پر نثار
یہ سر بھی تھا مثلِ ہمالہ بلند
زمانے میں ہر جا یہ تھا ارجمند
مزہ آتا تھا کیا مہمات میں
اُڑاتے تھے سب کو ہی کلمات میں
نہیں بھولتے گرمیوں کے مزے
بھلائیں گے کیا سردیوں کے مزے
بہت دل ربا تھے کئی ہم سبق
سبق تھا نہ کوئی بھی جو ہو ادق
تھے اس زیست میں اپنے ہیرو کئی
تھے ہیرو کئی اور ہیرو کئی

نہیں فرق تھا کچھ شب و روز میں
ہیں لاہور میں اور کندوز میں
بھری تھیں بدن میں کبھی بجلیاں
تھا زیرِ قدم نیلگوں آسماں
غرض زندگی تھی بہت ہی حسیں
ستاروں سے بڑھ کر تھی روشن جبیں
قلعہ تھا کوئی جو نہ ہو سرنگوں
سبھی چوٹیاں زیرِ پا تھیں زبوں
چمن در چمن بکھری تھی داستاں
تھی یہ زیست گویا کوئی ارمغاں
ہے یوں اب کہ گزرا ہے دورِ بہار
نہیں ہے کسی کا بھی اب انتظار
نہ ہیرو ہے کوئی نہ ہیرو کوئی
نہیں آتا پاس اب پکھیرو کوئی
درختوں کے پتے سبھی زرد ہیں
ہے یوں اب کہ ہم درد ہی درد ہیں

بہار اب کہاں ہے خزاں ہی خزاں
کہ ہم بن گئے ہیں خود اک داستاں
ہیں ہم زندگی کے اب اُس موڑ پر
چلے جاتے ہیں جب سبھی چھوڑ کر
دنوں کا تو کیا اب ہیں راتیں طویل
فقط ہوتی ہیں خود سے باتیں طویل
نہیں ممکن اب ہو شگفتہ یہ دل
ہے رکھی ہوئی اس پہ یادوں کی سیل
نہیں اب نہیں اب نہیں کچھ یہاں
خزاں ہی خزاں ہے خزاں ہی خزاں

O

راستہ

راستہ جو بدل نہیں سکتے
زندگی بھر سنبھل نہیں سکتے

اُن کو منزل کبھی نہیں ملتی
جو گھروں سے نکل نہیں سکتے

ظلم کا ہاتھ کیسے روکیں گے
جو کہ دو گام چل نہیں سکتے

دوستی اُن سے گل نے کر لی ہے
باغ میں ہم ٹہل نہیں سکتے

اِن کھلونوں کا ہم کریں گے کیا
اِن سے اب ہم بہل نہیں سکتے

ہم سفر میرے سب اپاہج ہیں
پاشکستہ ہیں چل نہیں سکتے

ہائے بچپن بچارے بچوں کا
جو گھروں میں مچل نہیں سکتے

O

کہاں سے سیکھا ہے
کہاں سے سیکھا ہے یوں پیار کرنا
یوں چھپ چھپ کر دلوں پر وار کرنا

جہاں مقصود ہو اقرار کرنا
وہاں کس شان سے انکار کرنا

یہ کیا کہ لطف سب ہو دوسروں پر
توجہ ہم پہ بھی سرکار کرنا

تغافل سے بنے گربات دل کی
تو کیوں خواہش کا پھر اظہار کرنا

مناسب کیا ہے یہ خود آپ کہئے
یوں ہر شب دعوتِ اغیار کرنا

محبت کا ہے شیوہ عاشقوں کو
یونہی رسوا سر بازار کرنا

نہیں شعر و سخن سے کوئی مطلب
جو سوئے ہیں اُنہیں بیدار کرنا

O

اک کہانی

اک کہانی ہے اک فسانہ ہے
زندگی کیا ہے آنا جانا ہے

چشم حیرت اگر میسر ہو
ہر زمانہ نیا زمانہ ہے

وہ اُسی کو مکاں سمجھتا ہے
جس کا بھی جس جگہ ٹھکانہ ہے

یہ تصور کی ہے فسوں کاری
شعر کہنا تو اک بہانہ ہے

زندگی دے صدا کہاں ہے تُو
دوستوں سے تجھے ملانا ہے

روک کر ہاتھ اُس ستم گر کا
ظلم کی ریت کو مٹانا ہے

غرقِ مے ہیں کہ بے وفا کو اب
اپنے دل سے ہمیں بھلانا ہے

O

جب دعا میں

جب دعا میں اثر نہیں ہوتا
کچھ بھی پھر کارگر نہیں ہوتا

میں اگر نغمہ گر نہیں ہوتا
پھر بھی میں بے ہنر نہیں ہوتا

شہر کی خاک آبرو ہوتی
شہر میں تُو اگر نہیں ہوتا

ہاتھ کھینچو نہ آبپاری سے
ہر شجر بے ثمر نہیں ہوتا

اور تم کتنے جھوٹ بولو گے
یوں کوئی معتبر نہیں ہوتا

جب بھی بولو یہ سوچ کر بولو
ہر کوئی بے خبر نہیں ہوتا

جس کو تُو نے بنا لیا اپنا
وہ کبھی در بدر نہیں ہوتا

ہم ہیں پیاسے تری محبت کے
مہرباں تو مگر نہیں ہوتا

زخم پر زخم کھائے ہیں لیکن
پھر بھی یہ دیدہ تر نہیں ہوتا

جب ملے حکم جاں لٹانے کا
تب اگر یا مگر نہیں ہوتا

پاس ہوتا ہے وہ مرے ہر دم
جب کہ وہ بیشتر نہیں ہوتا

کیوں وہ جاتے ہیں اُس کے کوچے میں
پاس جن کے جگر نہیں ہوتا

O

آنکھ جھپکی

آنکھ جھپکی تو جا چکا تھا وہ
مجھ سے دامن چھڑا چکا تھا وہ

برف پگھلی تو غم نے گھیر لیا
ابرِ غم بن کے چھا چکا تھا وہ

خشک چشمے تھے اُس کی دو آنکھیں
اشک سارے بہا چکا تھا وہ

جب وہ نکلا قمار خانے سے
اپنا سب کچھ لٹا چکا تھا وہ

ہائے وہ اُس کا غم زدہ چہرا
ساری شمعیں بجھا چکا تھا وہ

O

پھر رہے ہو سربکف

پھر رہے ہو سربکف قاتلوں کے شہر میں
خون کے یہ سلسلے ساحلوں کے شہر میں

خواب کیسے کیسے تھے اُس کی روشن آنکھ میں
مرگیا ہے آ کے جو منزلوں کے شہر میں

کس نے خوں بہا دیا کس نے خوں بہا لیا
کون کس سے پوچھتا قاتلوں کے شہر میں

راستے ہیں بے نشان اجنبی ہیں سب یہاں
کون جائے گا کہاں فاصلوں کے شہر میں

وقت ہے کہ جا رہو دُور جنگلوں میں اب
پھر رہے ہو کس لئے جاہلوں کے شہر میں

O

سن چکے

سُن چکے ہرزہ سرائی آپ کی
ہو رہی ہے جگ ہنسائی آپ کی

اب توبت بھی کر رہے ہیں گفتگو
اُن کا موضوع کج ادائی آپ کی

آپ کی تربت کا کتبہ بن گیا
تھی جو یزداں سے لڑائی آپ کی

منتظر بیٹھے فلک پر ہیں ملک
اب کریں گے وہ ٹھکانی آپ کی

بھول جائیں گی یہ ساری شوخیاں
جب ہوئی حضرت دھلائی آپ کی

O

اس طرح

اس طرح خود کو سزا دی ہم نے
تیری ہر بات بھلا دی ہم

شہر کے شہر ہوئے جل کے راکھ
تیری ہر یاد جلا دی ہم نے

تم سے بچھڑے تو یہ احساس ہوا
عمر بے کار گنوا دی ہم نے

آج کیوں اشک بہے جاتے ہیں
آج کیوں تم کو صدا دی ہم نے

بات جس پر تھا اُسے ناز بہت
کیسے باتوں میں اڑا دی ہم نے

بوجھ کندھوں پہ تھا یہ اپنا دماغ
نعش دریا میں بہا دی ہم نے

آئینے میں

آئینے میں اک تماشا ہو رہا ہے
عکس تیرا تیرے جیسا ہو رہا ہے

شعلوں جیسے پھول ایسے کھل رہے ہیں
سارا گلشن چہرہ چہرہ ہو رہا ہے

خندہ زن ہیں اہل گلشن اس نموپر
ایک اک گل کیسا کیسا ہو رہا ہے

زندگی کے دشتِ بے آب و گیاہ میں
ہر بُنِ مُونم کا پیاسا ہو رہا ہے

آگہی بھی سایوں کا اک کھیل نکلی
پتلیوں کا اک تماشا ہو رہا ہے

بجھ گیا ہے درد کا مہتاب بھی
دل کی دنیا میں اندھیرا ہو رہا ہے

O

نہ گلشن میں

نہ گلشن میں اکیلے یوں پھرا کر
ملے گا کیا کسی کا دل دکھا کر

فلک کی بے وفائی ہے مسلم
ملے گا کیا تمہیں آنسو بہا کر

مجھے سننے نہیں قصے وفا کے
جفا ہے تیرا شیوہ تُو جفا کر

کبھی دیکھا ہے تُو نے ہاتھ اپنا
حنا اپنی ہتھیلی پر لگا کر

نہ کراے دوست ایسی تلخ باتیں
ملے گا کیا تجھے مجھ کو رُلا کر

بھلے ہی غیر کی محفل میں جاؤ
مگر تنہائی میں مجھ سے ملا کر

O

کنارے آگلی

کنارے آگلی عمرِ رواں اب
لگائیں کیا بھلا دل کو یہاں اب

تھے کتنے پُرکشش ہنگامے اِس کے
بہت سونا لگے ہے یہ جہاں اب

متاعِ دل لٹا کر ہوش آیا
حقیقت بن گیا ہے ہر گماں اب

ہوئے رخصت ستارے کیسے کیسے
بغیر اُن کے ہے خالی آسماں اب

فقیر رہ نشیں سے بے رُخی کیوں
نہیں ہے اُس سا کوئی نکتہ داں اب

چلے آتے ہیں میکش میکدے میں
کہ ہو تم خیر سے پیرِ مغاں اب

جو کھولے اس طرح اسرارِ فطرت
نہیں ہے کوئی ایسا نکتہ داں اب

O

آج قاتل کا

آج قاتل کا سامنا ہوگا
حوصلہ اپنا دیکھنا ہوگا

چاند کہتا ہے سور ہو پیارے
میں یہ کہتا ہوں جاگنا ہوگا

کس محبت سے ہاتھ تھاما تھا
کیا خبر تھی کہ چھوڑنا ہوگا

اُجھنوں سے مفر نہیں ممکن
اب کوئی حل نکالنا ہوگا

عشق میں جان بھی تو جاتی ہے
عشق سے پہلے سوچنا ہوگا

کس قیامت کی آمد آمد ہے
کس قیامت کا سامنا ہوگا

اُس کو خود پہ غرور کتنا تھا
ہائے اُس کو بھی ٹوٹنا ہوگا

خامشی زہر بنتی جاتی ہے
آج تم کو بھی بولنا ہوگا

O

قطعه

منتظر ہوں اے مرے جبریل آ
درِ رگِ جاں صورتِ تمثیل آ
ہے بہت تاریک یہ راہِ حیات
تیرگی میں بن کے تُو قدیل آ

O

شہر جاناں

شہر جاناں سے ڈر گیا ہوں میں
بعد مدت کے گھر گیا ہوں میں

تیری یادوں میں سانس لیتا ہوں
کون کہتا ہے مر گیا ہوں میں

تو نے چُومی ہے میری پیشانی
کیا اب اتنا سنور گیا ہوں میں؟

ہو سکے تو چھپا لو سینے میں
طفلِ ناداں ہوں ڈر گیا ہوں میں

بھوت رہتے ہیں جن اندھیروں میں
اُن میں کیسے اُتر گیا ہوں میں

چھپ رہا ہے کوئی تو پردے میں
چلتے چلتے ٹھہر گیا ہوں میں

بھول کر جھوٹ کوئی بولا تھا
اُس کے دل سے اُتر گیا ہوں میں

O

بھوت پریت

تیرے چہرے پر
آتے جاتے سایوں میں
کیسی کیسی جل پریاں دکھتی ہیں
میں سوچتا ہوں
ان کی اُنکلی تھامے
تیری ذات کی بھول بھلیوں میں کھو جاؤں
پھر نہ لوٹوں
جھوٹ اور سچ کی اس دنیا میں
پھر نہ دیکھوں اُن بھوتوں کو
جن کے میلے دانتوں پر
ان سایوں کے خون کے دھبے
اندیشوں کی آگ جلاتے ہیں
تیرے چہرے پر
آتے جاتے سایوں میں

کیسی کیسی جل پریاں
کیسے کیسے بھوت پریت دِکھتے ہیں

O

ہو گیا ہے

ہو گیا ہے اس قدر بیمار دل
آج خود ہے در پے آزار دل

اچھی صورت کیا لبھائے گی اُسے
جب ہوا اپنے آپ سے بے زار دل

خامشی سے دل ربائی کا ہنر
جانتا ہے آپ کا سرکار دل

روز سجتے ہیں نئے چہرے یہاں
بن گیا ہے حُسن کا بازار دل

کس رعونت سے وہ کہتے ہیں ہمیں
کیا کریں گے لے کے ہم بے کار دل

O

رو پڑا ہوں

رو پڑا ہوں نام تیرا دیکھ کر
دکھ ہوا انجام تیرا دیکھ کر

کیا خبر تھی اس طرح اُجڑے گا گھر
ہوں فسرده بام تیرا دیکھ کر

داد دے تو اُس کی ہمت کی کہ جو
ہنس پڑے الزام تیرا دیکھ کر

زندگی کا شیشہ خالی ہو گیا
کیا کروں گا جام تیرا دیکھ کر

بُجھ گئیں آنکھیں تو دل روشن ہوا
دل میں لکھا نام تیرا دیکھ کر

O

بدلتا رُخ

بدلتا رُخ نتیجہ بھی بدل جاتا
مرا دشمن یقیناً پھر سنبھل جاتا

یہ لازم تھا کہ مہروں پر نظر رکھتا
نہ چلتا میں تو دشمن چال چل جاتا

مجھے اس تیرگی سے لڑنا آتا ہے
میں تنہا لڑتا گر خورشید ڈھل جاتا

بھروسہ ہے مجھے اپنی صداقت پر
نہ ہوتا تو میں بات اپنی سے ٹل جاتا

بھری محفل میں سچ کہنا ہی اچھا ہے
جو کہتا جھوٹ تو لہجہ بدل جاتا

O

ملی نہ جب

ملی نہ جب بھی جہاں میں اماں کہیں اُس کو
پسند آئی میرے دل کی سرزمین اُس کو

میں دل شکستہ تھا اس سے گلہ تو کیا کرتا
محبتوں سے کیا میں نے دل نشیں اُس کو

جو ہوتا بس میں تو اب تک مجھے مٹا دیتا
وہ آتا سامنے یہ حوصلہ نہیں اُس کو

کڑا ہو وقت مگر حوصلہ سلامت ہو
نہ کر سکے گا زمانہ کبھی نگیں اُس کو

جدا ہیں آج تو کیا کل کہیں پہ مل لیں گے
مجھے تو ہے ہی مگر کیا ہے یہ یقیں اُس کو

O

حُسن تھا پُر ملال
حُسن تھا پُر ملال کیا کرتے
ایسے میں ہم سوال کیا کرتے

تھی محبت سو کر لی ہے شادی
اِس سے بڑھ کر کمال کیا کرتے

چاند آیا تھا زخم دکھلانے
اُس کا ہم اندمال کیا کرتے

جب ہمارا نہیں خیال اُنہیں
ہم بھی اپنا خیال کیا کرتے

یاں تو گلشن ہی قید خانہ تھا
اڑ کے ہم ڈال ڈال کیا کرتے

O

دل ہے میرا

دل ہے میرا جمال اُس کا ہے
فن ہے میرا کمال اُس کا ہے

یہ جو لرزاں ہیں درد کے سائے
دکھ ہے میرا ملال اُس کا ہے

میں بناتا ہوں جتنی تصویریں
رنگ میرے خیال اُس کا ہے

یہ جو پھیلی ہے روشنی ہر سُو
در حقیقت جمال اُس کا ہے

بعد جس کے نہ ہو طلب کوئی
اتنا کامل وصال اُس کا ہے

O

تیرگی سے

تیرگی سے اشارے نکلیں گے
آئی شب تو ستارے نکلیں گے

آیا طوفاں اگر سمندر میں
اپنی حد سے کنارے نکلیں گے

کردی خوشبو نے جو بغاوت تو
ان گلوں سے شرارے نکلیں گے

ظلم جب بھی جہاں میں پھیلے گا
سربکف لوگ سارے نکلیں گے

چاند نکلا ہے بام پر امشب
آج ارماں ہمارے نکلیں گے

O

محو ہیں سارے

محو ہیں سارے خود نمائی میں
اب کہاں لطف آشنائی میں

اب تصنع ہے اوڑھنا سب کا
اک بناوٹ ہے خوش ادائی میں

ایک زر میں نہاں ہیں فن پارے
فن بھی تُلتا ہے اب کمائی میں

سردیاں ہو چکی ہیں بے معنی
لوگ سوتے نہیں رضائی میں

کس کو فرصت کہ پیار سے بولے
محو ہیں سارے جگ ہنسائی میں

O

جب ہاتھوں میں

جب بھی ہاتھوں میں جام لیتے ہیں
وقت کی باگ تھام لیتے ہیں

عشق بھی بن گیا ہے کاروبار
بوسے دیتے ہیں دام لیتے ہیں

چاک ہوتا ہے جب بھی دامن گل
ہم جگر اپنا تھام لیتے ہیں

اپنے رُخ پر بکھیر کر زلفیں
صُبح دم لُطفِ شام لیتے ہیں

وہ ہی کھنچتا ہے دار پر آخر
لوگ جس کا بھی نام لیتے ہیں

O

چپکے چپکے

چپکے چپکے ملا کرو صاحب
میرے دکھ کی دوا کرو صاحب

کج ادائی سے کچھ نہیں ہوتا
یوں خفامت رہا کرو صاحب

لب کشائی ہے حل مسائل کا
بات دل کی کہا کرو صاحب

جھوٹ کہنے سے ہے کہیں بہتر
سچ کہا اور سنا کرو صاحب

زندگی مختصر سہی لیکن
جی سے اس کو جیا کرو صاحب

O

دے رہا ہے کون

دے رہا ہے کون صحرا میں اذال
چومتا ہے کس کا ماتھا آسماں

کون کٹوا کر گلا کس دشت میں
نعرہ زن ہے دشمنوں کے درمیاں

کس کی شمشیر برہنہ کے طفیل
سرخ رُو ہے آج بھی یہ خاکداں

تھم نہیں سکتی کبھی بارانِ خوں
خوں کے آنسو رو رہا ہے آسماں

میرے لفظوں سے ٹپکتا ہے لہو
لکھ رہا ہوں خون سے یہ داستاں

O

وقت بدلے گا

وقت بدلے گا تو حالات بدل جائیں گے
آپ کے سارے خیالات بدل جائیں گے

دوست دشمن کے حوالے بھی نئے طے ہوں گے
آپ کے سارے سوالات بدل جائیں گے

وقت لکھے گا زمانے کے ورق پر تحریر
باکمالوں کے کمالات بدل جائیں گے

ہجر میں لوٹیں گے عشاق مزے وصلوں کے
سب اساساتِ جمالات بدل جائیں گے

آسمان پر نظر آتی ہیں پریشاں تصویریں
جتنے اترے ہیں رسالات بدل جائیں گے

O

محبت کرو

محبت کرو یا شکایت کرو
کرو کچھ تو ہم پہ عنایت کرو

کرو قائم ایسی مثالیں یہاں
کہ ہر کام اپنا روایت کرو

سمجھ لو اگر تم مذاقِ زماں
تو وضعِ اصولِ درایت کرو

اگر دیکھ لو تم حقیقت کا رخ
تو پھر عشق کی تم نہایت کرو

نہیں کوئی سنتا نصیحت کی بات
کسی کو یہاں مت ہدایت کرو

O

رفتہ رفتہ

رفتہ رفتہ مرحلے سب طے ہوئے
جس قدر تھے فاصلے سب طے ہوئے

کل کھڑا تھا اپنے گھر کے بام پر
اک نظر میں سلسلے سب طے ہوئے

چاند نے جھک کر کیا اُن کو سلام
ایک پل میں فاصلے سب طے ہوئے

جانے کیا جادو کیا ہے آپ نے
کیسے کیسے سلسلے سب طے ہوئے

ہے یقیناً اُس کی نظروں کا کرم
اُس نے دیکھا فاصلے سب طے ہوئے

O

اِس زمیں پر

اِس زمیں پر زندگی کی ہے تلاش
مجھ کو پھر سے آدمی کی ہے تلاش

جو بنا دے جنتِ ارضی اِسے
مجھ کو ایسے آدمی کی ہے تلاش

ہوں منور امن کے جس سے چراغ
مجھ کو ایسی شاعری کی ہے تلاش

جس کے دم سے آدمیت جی اُٹھے
مجھ کو پھر سے اُس ولی کی ہے تلاش

فکر کی راہوں میں گم ہے یہ فقیر
تیرہ شب کو روشنی کی ہے تلاش

O

میری تابانی سے

میری تابانی سے روشن کائنات
میرے جلووں سے ہے خیرہ حق کی ذات

میرے گرویدہ ہیں سب لات و منات
ضربِ حق سے توڑتا ہوں سومنات

میرے خوشہ چینوں میں ہے جبرائیل
میرا حرفِ شیریں ہے شاخِ بنات

میری گردِ راہ ہیں سینا و طور
میرے دم سے موجزن دجلہ فرات

نغمہ زن ہوں وادیء فاران میں
لے کے ہاتھوں میں خلیل اللہ کا ہاتھ

ہوں چراغِ حق شبِ تاریک میں
بندہء حق بندہء مولا صفات

مجھ کو تاریکی بجھا سکتی نہیں
تیرگی شب مٹا سکتی نہیں

O

اے خدائے برگزیدہ
اے خدائے برگزیدہ میری سُن
میں بہت ہوں رنج دیدہ میری سُن

پاس تیرے آیا ہوں نشتر بہ دل
دار پر ہوں سرکشیدہ میری سُن

فکر کے جلوؤں سے ہوں خیرہ نگاہ
روز و شب ہوں جاں تنیدہ میری سُن

ہوں اسیر کاکل لیلیٰ ہنوز
میں ہوں صبح شب گزیدہ میری سُن

تاب لاؤں میں کہاں تک دید کی
ہے یہ منظر خوں چکیدہ میری سُن

بخش دے میری خطائیں اے خدا
ہوں بہت خاطر کبیدہ میری سُن

میرے نغموں کو عطا کر نغمگی
ہوں ابھی تک ناشنیدہ میری سُن

O

لکھی ہے بادلوں پر

لکھی ہے بادلوں پر آج پھر تحریر مجنوں کی
نظر آتی ہے شاخ بید میں تصویر مجنوں کی

ہوا کرتی تھی پہلے استقامت اس کی قامت میں
ہوئی ہے کج بچاری لکھ کے یہ تقدیر مجنوں کی

سنوگے کیوں ہوئے ہیں جمع آہودشت کے سارے
چلے آئے ہیں سننے سب کے سب تقریر مجنوں کی

میاں ہم وحشی بن کر جی رہے ہیں دشت غربت میں
ہمارے پاؤں میں جب سے بندھی زنجیر مجنوں کی

دیا لیلیٰ نے تحفہ قیس کو صحرا نوردی کا
عطا کی شمع بھراُس نے ہمیں تقدیر مجنوں کی

O

جوا بھی خوابیدہ ہے

جوا بھی خوابیدہ ہے وہ ساز ہوں
آنے والے کل کی میں آواز ہوں

کر رہا ہے وقت میری پرورش
عہدِ نو کا نقطہء آغاز ہوں

انفس و آفاق ہیں جس کی صفات
اُس نفس کا میں بھی اک اعجاز ہوں

جس کی مشّتِ خاک ہیں لولاک سب
میں بھی اُس کی صورتِ پرواز ہوں

جوازل سے تا ابد ہے موجزن
اُس حسین کا میں بھی اک انداز ہوں

O

قطعه

فقیرِ راہ کو یارب چراغِ رہ گزر کر دے
جو گردِ راہ ہیں یارب انہیں نجم و قمر کر دے
میسر جن کو دنیا میں نہیں ہے کوئی نعمت بھی
تو اپنے فضل سے ان کو جہاں میں بارور کر دے

O

قطعہ

غریبِ شہر کا یا رب نہیں کوئی سہارا
جئے جاتا ہے صبر و شکر سے پھر بھی بچارا
اُلٹ دے حرفِ کُن سے آسماں کے بُرج سارے
کسی صورت تو چمکے اِس کی قسمت کا ستارا

O

اگر بلبیل ہے

اگر بلبیل ہے تو صیاد بھی ہے
اگر شیریں ہے تو فرہاد بھی ہے

جہاں میں سر بکف پھرتا ہے عاشق
جہاں میں دار بھی جلا د بھی ہے

بنانا چاہتے ہو گھر تو دیکھو
کہ اُس گھر کی کوئی بنیاد بھی ہے

کئے ہیں آدم و ابلیس پیدا
جہاں ایمان ہے الحاد بھی ہے

متاعِ زندگی ہے بے نیازی
یہاں نمرود بھی شدّاد بھی ہے

O

مرے حضرت نے

مرے حضرت نے کی ہے آج وہ تقریر بسم اللہ
بدل ڈالی ہے اس نے کتنوں کی تقدیر بسم اللہ

نہیں ممکن بیاں تقریر کی تاثیر بسم اللہ
کبھی شعلہ، کبھی شبنم، کبھی شمشیر بسم اللہ

ہے دریا اک خیالوں کا کہ ہے اڈا چلا آتا
کبھی نغمہ، کبھی جلوہ، کبھی تدبیر بسم اللہ

سنی سب نے کبھی کھو کر، کبھی ہنس کر، کبھی رو کر
ہوئی پھر شہر میں تقریر کی تشہیر بسم اللہ

خدا سے ہے دعا رکھے سلامت میرے حضرت کو
نہ ہوتی یہ غزل سنتا نہ گر تقریر بسم اللہ

O

نشانہ تمہارا

نشانہ تمہارا خطا ہو گیا
مقدر ہمارا خفا ہو گیا

یہ کیا سوچا تھا اور کیا ہو گیا
کہ یہ زخمِ دل پھر ہرا ہو گیا

زمانے میں کی اتنی آوارگی
یہاں تک کہ گم ہر پتہ ہو گیا

جسے پوچھا تہا بت سمجھ کر یہاں
خموشی سے وہ بھی خدا ہو گیا

ابھی جام پہنچا نہ تھا ہونٹوں تک
نہ جانے ہمیں کیوں نشہ ہو گیا

کہیں بھی نہ جائے گا یہ وحشی دل
ہوا عرصہ یہ آپ کا ہو گیا

O

اک انوکھے بانکپن سے
اک انوکھے بانکپن سے مر گیا
کام جتنے کرنے تھے سب کر گیا

سارادن اُس نے گزارا میرے ساتھ
شام ہوتے ہی وہ اپنے گھر گیا

وہ سنا کر جراتوں کی داستاں
رات کی تاریکیوں سے ڈر گیا

بانکپن سے جھول کر وہ دار پر
شہر میں وہ سب کو حیراں کر گیا

سب کا آخر مٹتا ہے نام و نشان
جو بھی آیا اس جہاں میں مر گیا

O

وعدہ کر کے

وعدہ کر کے وہ نہ آئے تو غزل ہوتی ہے
خواب میں آ کے ستائے تو غزل ہوتی ہے

چاند جب بام پہ آئے تو غزل ہوتی ہے
منہ وہ بادل میں چھپائے تو غزل ہوتی ہے

پلکیں اپنی وہ جھکائے تو غزل ہوتی ہے
ہونٹ ہونٹوں سے لگائے تو غزل ہوتی ہے

نام ہو دل میں تو گل بن کے مہک اٹھتا ہے
نام ہونٹوں پہ جو آئے تو غزل ہوتی ہے

شب کی تاریکی میں چھپ کر وہ کسی جنگل میں
چاند پانی میں نہائے تو غزل ہوتی ہے

وہ جو خوشبو کی طرح بستا ہے میری جاں میں
وہ مجسم چلا آئے تو غزل ہوتی ہے

رات دن چاہا ہے احساس کی صورت جس کو
سامنے وہ چلا آئے تو غزل ہوتی ہے

O

شکایت کیوں کروں

شکایت کیوں کروں میں آسمان کی
مجھے عادت نہیں آہ و فغاں کی

میں جنگل پھول ہوں کیا اتنا کم ہے
کروں خواہش کیوں خوشبو کی زباں کی

سفر ہے دھوپ کا در پیش مجھ کو
نہیں مجھ کو ضرورت سائبان کی

مرے افکار سے خائف ہے یزداں
نہیں ہے فکر اُس کو اس جہاں کی

نہیں شعر و سخن سے کوئی مطلب
ہے مقصد بس بھلائی کارواں کی

O

تمنا تھی محبت میں

تمنا تھی محبت میں ہو گہرائی زیادہ
مگر ڈر تھا کہ ہوگی تیری رسوائی زیادہ

اُٹھالیتا ہوں بڑھ کر جام ہاتھوں میں اچانک
اگر محسوس ہو محفل میں تنہائی زیادہ

ہیں گزرے پہلے بھی تو حادثے ایسے جہاں میں
نہ جانے آج کیوں یہ آنکھ بھر آئی زیادہ

کروں شکوہ خزاں سے کس لئے اے دوست میرے
لُٹا میرا چمن جب بھی بہار آئی زیادہ

خدا رکھے سلامت حُسنِ جاناں کو ابد تک
مہِ کامل سے بھی اُس میں ہے رعنائی زیادہ

O

جن کی خاطر

جن کی خاطر یہ لٹائے ہیں دل و جاں ہم نے
اُن سے بس پائے ہیں تضحیک کے سماں ہم نے

اور ہوں گے کہ جو ناکامی سے ڈر جاتے ہیں
عمر بھر ڈھونڈے ہیں ناکامی کے امکاں ہم نے

جب سے شہروں پہ درندوں کا ہوا ہے راج
اپنے کندھوں پہ چڑھائے ہیں یہ پیکاں ہم نے

اب اگر جنگ ہے اُن سے تو چلو یوں ہی سہی
پھاڑ ڈالے ہیں سبھی ظلم کے فرماں ہم نے

چیتھڑے جسم کے کچھ اپنے بچا لائے ہیں
تیرے زخموں کا یہی ڈھونڈا ہے درماں ہم نے

زیت سے مانگا تھا کیا ہم نے محبت کے سوا
بھر لیا کس لئے کانٹوں سے یہ داماں ہم نے

O

پرائے زخم سہلانے
پُرانے زخم سہلانے سہانی شام آئی ہے
ہمارے دل کو بہلانے سہانی شام آئی ہے

چھپار کھا تھا جس کو تم نے اب تک اپنی زلفوں میں
جہاں میں اُس کو پھیلائے سہانی شام آئی ہے

وہ خوشبو بن کے اب تک بس رہی تھی دور جنگل میں
زمانے بھر کو مہرکانے سہانی شام آئی ہے

چھپار کھا تھا کہساروں نے جن کو اپنے دامن میں
اب اُن رنگوں کو چمکانے سہانی شام آئی ہے

پہاڑوں کے عقب میں چھپ گیا ہے دن کا شہزادہ
ہمارے گھر میں سستانے سہانی شام آئی ہے

O

زمیں پر رات آتی ہے

زمیں پر رات آتی ہے ستارے جاگ جاتے ہیں
جو سو جائیں کبھی لہریں کنارے جاگ جاتے ہیں

کبھی پھنکارتے ہیں سانپ شاخوں پر درختوں کی
تو ایسے میں سبھی پنچھی بچارے جاگ جاتے ہیں

انہیں معلوم ہے قیمت حسیں آنکھوں میں اشکوں کی
جہی تو دل میں جذبوں کے یہ دھارے جاگ جاتے ہیں

کسی بستی میں گر جے آکے آدم خور راتوں میں
تو بستی کے مکین سب ڈر کے مارے جاگ جاتے ہیں

وہ بھولے سے جو آجائے کسی ویران بستی میں
تو اُس بستی کی سب گلیاں چو بارے جاگ جاتے ہیں

O

کشتیاں بحر میں

کشتیاں بحر میں ڈال کر
سب کے اب بادباں کھول دو

مت لگاؤ کوئی قد غنیں
اب تو ان کی زباں کھول دو

توڑ دو ساری زنجیریں اب
پھر جم عاشقاں کھول دو

اب سفر کا انہیں اذن دو
ان کی سب بیڑیاں کھول دو

ان کے جذبوں کو مہمیز دو
ان پہ سر جہاں کھول دو

مانتا ہوں کہ ہیں کم نظر
ان پہ اپنے نشاں کھول دو

پھر انہیں کر دو تم کا مراں
پھر درِ کہکشاں کھول دو

ختم کر دو یہ مایوسیاں
ولولوں کے جہاں کھول دو

اب مٹا کے یہ رسوائیاں
جاہ کے آسماں کھول دو

O

اپنے ہونے پر

اپنے ہونے پر نہ ہونے کا گماں ہونے لگا ہے
کون حائل اب ہمارے درمیاں ہونے لگا ہے

کھل رہے ہیں رفتہ رفتہ زندگی کے سارے راز
سر فطرت چشمِ انساں پر عیاں ہونے لگا ہے

وقت کے پردے پہ جاری ہے جو تصویروں کا رقص
اب ہمیں اس پر حقیقت کا گماں ہونے لگا ہے

شاہد و مشہود کے اس کھیل میں شاہد ہے کون
اس پہ بھی اب اتصالِ عاشقاں ہونے لگا ہے

آئینے میں آئینوں کی دور تک جاتی قطار
دیکھ تو اے چشمِ نگر اں کیا عیاں ہونے لگا ہے

آگئی ہے خوش جہاں میں حق کو میری کافری
خلد میں تعمیر میرا آشیاں ہونے لگا ہے

پردہُ شب پر پڑا ہے ماند تاروں کا ہجوم
قافلہ خورشید کا شاید رواں ہونے لگا ہے

O

فقر میں بھی

فقر میں بھی ہم نہیں قائل کسی تقلید کے
بات کہتے ہیں ہمیشہ بن کسی تمہید کے

حسن کے جلوؤں نے مارا ہے ہمیں اس زیت میں
ورنہ کہہ لیتے جہاں میں جملے کچھ تمجید کے

جو کہا ٹھک کر کہا اور بے نیازی سے کہا
ہو نہیں پائے کبھی محتاج ہم تردید کے

دوست کی باتیں ہوئی ہیں باعثِ تسکینِ دل
کیوں ہوں متلاشی بھلا ہم اب کسی تشہید کے

عشق کی گرمی سے ہیں جو کوئے دل میں نغمہ سنج
اُن کی خاطر شعر میرے جُڑے ہیں تبرید کے

O

ڈھونڈتا ہے دل مرا

ڈھونڈتا ہے دل مرا دوست ہر غبار میں
صرف میں نہیں، ہیں سب اُس کے انتظار میں

زندگی کے چہرے پر اتنے داغ ہیں لگے
ایک دو اگر ہوں تو لاؤں میں شمار میں

ہے ہجوم عاشقاں اُس کے گھر کے آس پاس
دیکھتا ہوں سب کو میں کھڑا ہوا قطار میں

اک صدائے اجنبی کھینچتی ہے میرا دل
پھر رہا ہوں سربکف عشق کے دیار میں

دشت میں ہوں سرگراں قافلہ بھی گم ہوا
کھو چکی ہیں منزلیں ریت کے غبار میں

جا رہے ہو میکدے سوچ لو کرو گے کیا
دل اگر بہک گیا موسم بہار میں

اے ندیم بخش دے میری سب خطائیں تُو
اجنبی ہوں میں ابھی عشق کے دیار میں

O

کون جانے

کون جانے گا پریشانی مری
ہے مری دشمن گراں جانی مری

کوئی رہتا ہے ہمیشہ جستجو میں
کر رہا ہے کوئی نگرانی مری

بُھولتا جاتا ہوں آدابِ خودی
اس قدر ہے بس پشیمانی مری

آسماں اک حلقہ زنجیر ہے
روز و شب کرتا ہے درباری مری

چھوڑیے صاحب مجھے مت چھیڑے
ہے طبعیت آج طوفانی مری

O

قطعه

آسماں پر فکر میں گم ہیں ملائک اور خدا
اتنے سارے کام چوروں کا زمیں پر کیا کریں

عرش پر انبار ہیں ان کی دعاؤں کے فقط
ان کی آہوں، سسکیوں اور آنسوؤں کا کیا کریں

چاہتے ہیں ہوں مسائل حل و ظائف سے سبھی
عمر بھر کر کے گنہ یہ جا مدینے میں مریں

بوجھ دھرتی پر ہے ان سارے نکتوں کا وجود
ہے یہ بہتر پاک دھرتی کو نکتوں سے کریں

O

جو بھی اس دل پر
جو بھی اس دل پہ گزرتی ہے سنائیں کیسے
اپنا دل چیر کے دنیا کو دکھائیں کیسے

ہم نے تو زہریلا تھا کہ رہے سچ زندہ
مر گیا سچ یہ زمانے کو بتائیں کیسے

زہر آلود ہواؤں سے شکایت کیسی
فکر اب یہ ہے کہ گلشن کو بچائیں کیسے

تیرے رخساروں کی زردی نے کیا آزدہ
ہم تری مانگ ستاروں سے سبائیں کیسے

دل شکستہ ہے مگر جاں ہے سلامت اب بھی
دوا جازت ہمیں ہم اس کو لٹائیں کیسے

O

آسمانوں سے خدا

آسمانوں سے خدا خود بھی اتر آئے تو کیا
میری دنیا اک دھماکے سے بکھر جائے تو کیا

مٹ رہے ہیں خوف کے بت ایک اک کر کے سبھی
کر رہا ہوں میں پرستش جس کی مر جائے تو کیا

ٹوٹتے جاتے ہیں رشتے لفظ و معنی کے سبھی
یہ بدن بھی جاں کے رشتے سے گزر جائے تو کیا

حادثوں کی زد میں ہے یہ خوشبوؤں کا قافلہ
موجہ نگل تیری راہوں میں ٹھہر جائے تو کیا

بجلیوں کی زد میں ہے روزِ ازل سے میرا گھر
ہو کے خاکستر اگر یہ گھر بکھر جائے تو کیا

O

ہجرتوں کے شوق میں

ہجرتوں کے شوق میں تھے در بدر
جاسکے نہ لوٹ کے ہم اپنے گھر

موسم گل کی طلب میں ہم پھرے
جیسے پھرتے ہیں یہاں شام و سحر

کس نے پائی ہے یہاں جائے اماں
ہم نے دیکھے ہیں یہاں بس کٹتے سر

بن گیا ہے ہر کوئی تصویر یاس
سب کے چہروں پر لکھا ہے ایک ڈر

جار ہے ہو جن زمینوں کی طرف
سنتے ہیں واں بھی شجر ہیں بے ثمر

O

زندگی بھر دوستوں سے

زندگی بھر دوستوں سے گفتگو چلتی رہے
جس طرح سے چل رہی ہے ہو بہو چلتی رہے

طے نہ ہوں یارب کبھی بھی شوق کے یہ مرحلے
تشنگی بڑھتی رہے اور جستجو چلتی رہے

ایسے ہی سجتی رہیں سب دوستوں کی محفلیں
قہقہے لگتے رہیں اور گفتگو چلتی رہے

ہوتی ہے خواہش ہمیشہ چال اُس کی دیکھ کر
ہم یو نہی بیٹھے رہیں وہ روبرو چلتی رہے

ہوں دُعا گو اس محیطِ بے کراں میں زندگی
یم بہ یم دریا بہ دریا جو بہ جو چلتی رہے

O

جب بھی آکر

جب بھی آکر بستیوں میں سنسناتی ہے ہوا
غم کے مارے سسکیوں میں ڈوب جاتی ہے ہوا

سننے کو جو کان ہوں تو کہتی ہے وہ حالِ دل
کھول کر جی اپنے دکھڑے پھر سناتی ہے ہوا

اس کے دامن پر رقم ہے گزرے کل کی داستاں
پوچھئے تو خونچکاں سینہ دکھاتی ہے ہوا

ذکر ہو انسان کا تو سینہ کو بی یہ کرے
خود بھی روتی ساتھ ہم کو بھی رلاتی ہے ہوا

گردشِ دوراں میں جکڑے موسموں کے ذکر پر
بے کسی سے رات بھر نوے سناتی ہے ہوا

O

گردشِ شام و سحر

گردشِ شام و سحر میں رہتے ہیں
ہم ہمیشہ ہی سفر میں رہتے ہیں

دشت میں ہوں یا کہ ہوں ہم شہر میں
ہر جگہ اُن کی نظر میں رہتے ہیں

جب سے پی ہے ہم نے مے یہ عشق کی
روز و شب اس کے اثر میں رہتے ہیں

جب سے دی ہے جان ہم نے عشق میں
تب سے ہم اُس چشمِ تر میں رہتے ہیں

خواب بن کر ہم جئے جب تک جئے
مر کے خورشید و قمر میں رہتے ہیں

O

کھڑکی کے دوپٹ

یاد ہیں اب تک مجھے
کھڑکی کے دوپٹ
کھول کر جن کو کسی نے
مسکرا کر دیکھا تھا میری طرف
ہاں یاد ہیں اب بھی مجھے
وہ گلیاں کوچے
جن میں پھر نام نہیں تھا
گردشِ شہرِ حرم سے
یاد ہے اب تک مجھے
اس کی حنائی انگلیوں سے پھوٹی خوشبو
مرے بالوں کو مہکاتی
بدن میں دوڑتے خوں کو تپا کر
یوں مجھے چھوتی
کہ جیسے میں کسی کہسار سے اتر ا ہوا

اک دیوتا ہوں
جو کہ بھولے سے چلا آیا ہو
اس کی اجنبی دنیا میں
اٹھتی سرکش و بے باک موجوں کو
نولا دی بازوؤں میں تھام لینے کے لئے
ہاں یاد ہیں اب بھی مجھے
وہ تارہ آنکھیں
رات زلفیں
صبح چہرہ
اور بند ہوتی ہوئی کھڑکی کے دوپٹ
جن کے کھلنے کا ابھی تک منتظر ہوں

O

اُمیدوں بھری یہ سحر
اُمیدوں بھری یہ سحر مرنہ جائے
میں ڈرتا ہوں یارب قمر مرنہ جائے

ہوا چل رہی ہے جو آزادیوں کی
کہیں اس میں میرا ہنر مرنہ جائے

اُٹھائے ہیں اک بیوہ نے ہاتھ یارب
اب اُس کی دعا میں اثر مرنہ جائے

ہے بے پر پرندہ مگر اڑ رہا ہے
ہے خدشہ کہ بے بال و پر مرنہ جائے

سبھی منتظر ہیں یہاں جس خبر کے
ہے ڈر بنتے بنتے خبر مرنہ جائے

بہت کوششوں سے بچایا تھا اس کو
مرا ملک بارِ دگر مرنہ جائے

جہاں بارہا میں نے دیکھا تھا چندا
محبت کا وہ بام و در مر نہ جائے

O

آج کچھ ایسی ادا

آج کچھ ایسی ادا دیکھی ہے
اپنی آنکھوں سے قضا دیکھی ہے

آگ لگ جاتی ہے دل میں جس سے
ہم نے وہ شعلہ نوا دیکھی ہے

کھل رہا ہو کوئی گل سا جیسے
اُس کے چہرے پہ حیا دیکھی ہے

درد سب اُس کا ہی تو ہیں تحفہ
عشق میں عمر گنوا دیکھی ہے

O

گزرے راستے

چلو کچھ دور چلتے ہیں چلو کچھ باتیں کرتے ہیں
جو لمحے ساتھ گزرے تھے
جو باتیں ہم نے کی تھیں
چلتے چلتے رُک کے رستے میں
جو خوشیاں ہم نے دیکھی تھیں
جو دکھ ہم نے اٹھائے تھے
انہی لمحوں، انہی باتوں، انہی خوشیوں
کو پھر ہم یاد کرتے ہیں
چلو کچھ دور چلتے ہیں چلو کچھ باتیں کرتے ہیں

O

عشق میں یہ بھی
عشق میں یہ بھی کر گئے ہوتے
تو نہ ملتا تو مر گئے ہوتے

جو نہ پاتے پتہ مرے گھر کا
جانے غم کس کے گھر گئے ہوتے

گرچہ ہوتا قصور خود اُن کا
مجھ پہ الزام دھر گئے ہوتے

عارضی ہی سہی مری دنیا
پھر بھی کچھ کام کر گئے ہوتے

تیرے غم نے سکھا دیا جینا
جو نہ ملتا تو مر گئے ہوتے

O

دوستوں نے

دوستوں نے دوستی نبھائی یوں
دے رہا ہے دل مرا دہائی یوں

سوچتا ہوں جنگلوں میں جا بسوں
ان دکھوں سے پاؤں میں رہائی یوں

ہو سکے تو پوچھ لوں خدا سے میں
کیا چلائی جاتی ہے خدائی یوں

خواب پر حقیقتوں کا ہے گماں
زیست نے یہ داستاں سنائی یوں

برق چمکی پھر نہ کچھ دیکھا گیا
اس نے اپنی چھب مجھے دکھائی یوں

کہتے ہیں وہ ضبط میرا دیکھ کر
کاٹے ہیں عشق میں جدائی یوں

بس سکیں گی اب کبھی نہ نفرتیں
بستی میں نے اب کے وہ گرائی یوں

کانپتی تھی دنیا جن کے نام سے
ہستی اُن کی وقت نے مٹائی یوں

O

سوال یہ ہے

سوال یہ ہے کہ غم سے نجات کیسے ہو
مقدروں کے خداؤں سے بات کیسے ہو

نہیں ہیں جن کو سماعت کی فرصتیں حاصل
تو ختم اُن کے تسلط کی رات کیسے ہو

دلِ حزیں کو اگر ہے تو فکر اتنی ہے
جہاں میں حسن کو حاصل ثبات کیسے ہو

خدا کا شکر کہ راہِ طلب میں جاں دے کر
سکھا گیا ہے کوئی یہ حیات کیسے ہو

کروں میں عشق سلامت رہے گریباں بھی
تمہی کہو کہ یہ انہونی بات کیسے ہو

کبھی تو دیدہ ورو اس پہ ہو کوئی مجلس
جہاں میں دیدہ و دل کی نجات کیسے ہو

O

کیا بتائیں

کیا بتائیں کس کے پھن نے ڈس لیا
ایک ناگن کی لگن نے ڈس لیا

یوں تو تھا وہ منحنی سا آدمی
ہم کو لیکن اُس کے فن نے ڈس لیا

میکدے کے ہو گئے ہیں شیخ جی
تنخی کام و دہن نے ڈس لیا

خود بخود اٹھتے ہیں پاؤں سوئے دشت
کس کی خوشبوئے ختن نے ڈس لیا

کیا کریں غربت میں غیروں کا گلہ
ہم کو جب اہل وطن نے ڈس لیا

O

کب میسر ہیں

کب میسر ہیں مجھے تیر و کماں
میری طاقت ایک حرفِ مہرباں

دشمنی پر جب ہو مائل آسماں
آدمی سے رُوٹھ جاتا ہے جہاں

ہوں لبالب شوخیِ گفتار سے
ہے زمانے سے جدا میرا بیاں

شیخ و ملا آدمیت کے حریف
جن کے دم سے ہے دگرگوں یہ جہاں

حرفِ تازہ لایا ہوں سب کے لئے
جس سے روشن ہے مکان و لامکاں

چھونہ پائے گی کوئی گردشِ اسے
بند ہے مٹھی میں اس کی سب جہاں

رنگ سارے خونِ دل کا معجزہ
ہے اسی سے رنگ و بوئے ارغواں

○

عکس ابھرا

عکس ابھرا ذہن میں کل شام تیرا
پڑھ لیا لوگوں نے کیسے نام تیرا

عمر بھر ترسائے مے کے لئے ہم
تھا لبالب مے سے گرچہ جام تیرا

راستے سب تھے مرے دیکھے ہوئے پر
ہر جگہ ڈھونڈا کئے ہم گام تیرا

زندگی میں پائنداری ڈھونڈنا
ڈر ہے ہوگا کام یہ ناکام تیرا

دل پہ قابض ہے محبت ایک بت کی
کیا کروں گا میں رحیم ورام تیرا

O

صداقت جب بھی

صداقت جب بھی مرتی ہے صدائیں روٹھ جاتی ہیں
گھٹن بڑھتی ہے اور تازہ ہوائیں روٹھ جاتی ہیں

بزرگوں سے سنا ہے جب برائی عام ہو جائے
فلک رُخ موڑ لیتا ہے دعائیں روٹھ جاتی ہیں

ہوس کے جال میں پھنس کر یہ اکثر حال ہوتا ہے
پرندے پھڑ پھڑاتے ہیں ہوائیں روٹھ جاتی ہیں

بجا ہے وہ محبت بانٹتی ہیں اپنے بچوں میں
مگر اک وقت آتا ہے کہ مائیں روٹھ جاتی ہیں

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ساقی کی محبت سے
لبالب جام بھرتے ہیں گھٹائیں روٹھ جاتی ہیں

O

ایک نا اُمید عاشق کی شام

محبت جب کسی کی دنیا میں ناکام ہوتی ہے
بہت ہی دُکھ بھری اُس کی وہ پہلی شام ہوتی ہے

لبوں پر سسکیاں ہوتی ہیں دل میں درد ہوتا ہے
لرزتے ہاتھوں میں اُس کے مئے گلفام ہوتی ہے

چھپاتا جتنا ہے دنیا سے وہ اپنی کہانی کو
زمانے میں کہانی اُتنی ہی وہ عام ہوتی ہے

کبھی روتا ہے وہ منہ کو چھپا کر اپنے تکیے میں
نصیحت بھی اُسے محسوس اک دشنام ہوتی ہے

وہ جینا چاہتا ہے اُس محبت سے بچھڑ کر بھی
کہ مرنے سے محبت دنیا میں بدنام ہوتی ہے

مگر اُس کی کہانی جب جہاں میں عام ہوتی ہے
تو اُس کی زندگی کی آخری وہ شام ہوتی ہے

O

جس کو کبھی کسی سے

جس کو کبھی کسی سے محبت نہ ہو سکی
حاصل اُسے یہ درد کی دولت نہ ہو سکی

کرتا کسی بھی اور کی کیسے اطاعتیں
مجھ سے مرے خدا کی اطاعت نہ ہو سکی

یوں وہ سمٹ کے رہ گیا اپنے وجود میں
اُس کو ستارے چھونے کی جرات نہ ہو سکی

اک شوق دید تھا کہ وہ سامان جان تھا
لیکن کبھی بھی دید کی جرات نہ ہو سکی

O

ایک نظم

لے اڑا ہے کون لالی شام کی
ہے چرائی کس نے بالی شام کی
شک تھا سب کو کام ہے یہ شام کا
شام نے بھی قسم کھالی شام کی
کھلتی ہیں چاندنی میں گویاں
تھام کے پکیلی ڈالی شام کی
بانسری نے رنگ باندھا شام کا
لوٹ آئی پھر سے لالی شام کی
شام آیا وقت کے رتھ پر سوار
گویاں تھیں سب سوا لی شام کی
شاد لوٹیں سکھیاں سب شام سے
کب رہی ہے کوکھ خالی شام کی
چھو نہیں سکتا کوئی بھی دکھ اُسے
جس نے بھی پہنی ہو بالی شام کی

O

قطعه

بندہ پرور شوق سے تقریر کیجئے
جائیے میرے کفر کی تشہیر کیجئے
شوق سے جھٹلایئے ہر سچ کے بعد سچ
جائیے آفتاب کی تکفیر کیجئے

ذات تیری

ذات تیری خیال سے باہر
میرے ہر احتمال سے باہر

جانتے ہیں جمیل جتنے ہم
ہر کسی کے جمال سے باہر

استعاروں علامتوں سے ورا
میرے ہر قیل و قال سے باہر

فکر کی ماندگی یہ کہتی ہے
تو ہے ہر اتصال سے باہر

کون پہنچے گا اوج کو اُس کے
جو کہ ہو ہر کمال سے باہر

O

لفظ کی تکرار سے

لفظ کی تکرار سے ڈرتا ہوں میں
اک اُدھورے عکس پر مرتا ہوں میں

جس سے سورج لوٹ آئے اگلے روز
کام ایسے روز کچھ کرتا ہوں میں

ایک ٹیڑھے شخص سے ہے واسطہ
اُس کے ٹیڑھے پن پہ بھی مرتا ہوں میں

اک شبیہ سی دیکھتا ہوں روز و شب
بس اُسی کی پرورش کرتا ہوں میں

معجزے سے کم ہے کیا یہ مرحلہ
شب کو دن اور دن کو شب کرتا ہوں میں

O

ہم مکیں

ہم مکیں ہیں نہ مکاں اپنا ہے
کہنے کو سارا جہاں اپنا ہے

گفتگو جتنی بھی ہم کرتے ہیں
لفظ اُس کے ہیں بیاں اپنا ہے

ہو گئی دل کو بھی عادت اُس کی
یہ بھی اُس کا ہے کہاں اپنا ہے

وقت نے بدلی ہے کروٹ ایسے
اب تو وہ دشمن جاں اپنا ہے

پوچھتے کیا ہو پتہ میرا تم
ہر نشان اب بے نشان اپنا ہے

O

سوچ رکھا ہے

سوچ رکھا ہے کہ کب اور کہاں بولوں گا
جب بھی بولوں گا محبت کی زباں بولوں گا

میرے الفاظ نہیں بولیں گے جگ میں کانٹے
اچھا بولوں گا میں جب اور جہاں بولوں گا

میں نہ انسان کو بانٹوں گا کبھی خانوں میں
میں ہوں انسان میں انساں کی زباں بولوں گا

روشنی بانٹوں گا اس دنیا میں بن کر سورج
دھوپ بولوں گا نہ میں کبھی چھاں بولوں گا

ہے یہ خواہش کہ مری دنیا میں بس امن رہے
امن کی بات ہوئی تو بے تکاں بولوں گا

O

کچھ مصنف کے بارے میں

خواجہ اشرف 1951 میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ 1971 میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے کے بعد پہلے مختصر عرصہ کے لیے اسلام آباد میں پریذیڈنٹ سیکریٹریٹ میں کام کیا۔ پھر پنجاب پبلک سروس کمیشن سے انتخاب کے بعد پنجاب میں محکمہ تعلیم سے وابستہ ہوئے اور پنجاب کے مختلف کالجوں میں بطور لیکچرار پڑھاتے رہے۔

لکھنے پڑھنے کا شوق بچپن سے تھا۔ دورانِ تعلیم پاکستان کے مختلف اخبارات میں کے ایم اشرف کے نام سے سیاسی، سماجی اور ادبی موضوعات پر مضامین لکھے۔

پاکستان میں وزیر آغا کی ادارت میں شائع ہونے والے ادبی میگزین اوراق اور ہندوستان میں ٹمس الرحمن فاروقی کی ادارت میں شائع ہونے والے ادبی میگزین شب خون میں کئی کہانیاں اور انشائیے لکھے۔ جزل ضیا الحق کے مارشل لاء کے بعد 1981 میں امریکہ چلے گئے۔ امریکہ میں یونیورسٹی آف فینکس سے ایم بی اے کرنے کے بعد کاروباری دنیا سے وابستگی اختیار کی۔

امریکہ منتقلی کے بعد ضیا دور میں مختلف بین الاقوامی فورمز پر پاکستان میں بحالی جمہوریت کے لیے بھرپور جدوجہد کی۔ یہ جدوجہد مشرف دور میں بھی جاری رہی۔ اب بھی پاکستان میں جمہوریت کی نشوونما اور ترویج و اشاعت سے خاص دلچسپی ہے۔

ادب میں ترقی پسند رجحانات کی طرف جھکاؤ ہے۔ زیر نظر شاعری کے مجموعے ”سفر میں شام“ کے علاوہ چار سفر ناموں ”اسرائیل میں چند روز“، ”کنار نیل“، ”سقراط کے شہر میں“ اور ”ماسکوماسکو“ اور تین ناولوں ”مٹی کا پیٹا“، ”نسل سوختہ“ اور ”شب گزیدہ سحر“ اور کہانیوں کے تین مجموعوں ”آئینہ کہانی“ اور ”مکالمے کا قتل“ اور ”تاریکی میں چلتے لوگ“ اور نثری نظموں کی ایک کتاب ”برف میں کھلا پھول“ کے بھی مصنف ہیں۔ تاحال لکھنے کا سلسلہ جاری ہے۔

مصنف کی تخلیقات کی انواع کے حوالے سے کہا جاسکتا ہے کہ اردو ادب میں بہت کم ایسے ادیب ہیں جنہوں نے ادب کی اتنی اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ نثری اور پابند شاعری، کہانیاں، ناول اور سفر نامے بظاہر مختلف اصناف ادب ہیں لیکن مصنف نے ان تمام اصناف میں طبع آزمائی کر کے جن معیاری تخلیقات سے اردو ادب کے دامن کو مالا مال کیا ہے اس کی مثال اردو ادب میں بہت کم ملتی ہے۔

O

مصنف کی دیگر کتابیں

مٹی کا بیٹا۔۔ ناول

ایک اچھوتی اور دلچسپ کہانی جو پاکستان کے چھوٹے سے گاؤں سے شروع ہو کر امریکہ سے ہوتی ہوئی اسی گاؤں میں ختم ہوتی ہے۔ کہانی کا ہیرو ساری عمر اپنے طبعی والد کی تلاش میں کئی دلچسپ مرحلوں سے گزرتا ہے۔ انسانی جذباتوں کی عظیم داستان جو انسان دوستی اور انسانی مساوات کا درس دیتی ہے۔ تشدد اور جنگ سے بچنے کا سبق سکھاتی ہے۔ زندگی کے احترام کی تلقین کرتی ہے۔

نسل سوختہ۔۔ ناول

1947 میں پاکستان بننے سے لیکر 1971 میں قائد اعظم محمد علی جناح کے پاکستان ٹوٹنے کی کہانی۔ پاکستانی سیاست کی بائبل جس میں ان کو تباہیوں کی نشاندہی کی گئی ہے جن کی وجہ سے 1971 میں قائد اعظم محمد علی جناح کا پاکستان دو لخت ہوا۔ پاکستان کی مخصوص صورت حال کے پیش نظر پاکستان کے سیاسی، سماجی اور معاشی مسائل کے ممکنہ حل پیش کرتی ہے۔ پاکستانی سیاست میں دلچسپی رکھنے والے کسی بھی شخص کے لئے اس ناول کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ اس کا مطالعہ انہیں پاکستان کو ایک نئے پس منظر میں دیکھنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

شب گزیدہ سحر۔۔ ناول

شب گزیدہ سحر روسی انقلاب کے بعد سوویت یونین کی تشکیل سے لے کر تحلیل تک کی کہانی ہے جو ایک رومانی داستان کے ذریعے نہ صرف انقلاب کی کہانی سناتی ہے بلکہ سوویت یونین کے عروج و زوال اور آخر کار تحلیل کے پس پردہ عوامل اور کرداروں کی نشاندہی کرتی ہے۔ یہ ناول اپنے قارئین کو سوویت

یونین کے بارے میں ایک نیا پس منظر پیش کرتا ہے۔ خاص طور پر انقلابی کارکن اس ناول کو پڑھ کر انقلاب کے لئے اپنی جدوجہد میں ممکنہ غلطیوں سے خود کو اور تحریک کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

آئینہ کہانی۔۔۔ کہانیوں کا مجموعہ

آئینہ کہانی میں مصنف کے قلم سے لکھی گئی چھبیس انوکھی اور دلچسپ کہانیاں شامل ہیں۔ ان میں سے ہر کہانی زندگی کے کسی نہ کسی انوکھے رخ کی نشاندہی کرتی ہے جسے پڑھ کر انسان بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

مکالمے کا قتل۔۔۔ کہانیوں کا مجموعہ

مکالمے کا قتل مصنف کے قلم سے لکھی گئی پچیس مزید کہانیوں کا مجموعہ جن میں مصنف نے انوکھے موضوعات پر خامہ فرسائی کی ہے۔ ان کہانیوں میں مصنف کا دیگر لکھاریوں سے ہٹ کر چیزوں کو دیکھنے کا عمل اُسے ایک طرف اپنے ہم عصر لکھاریوں سے ممتاز کرتا ہے اور دوسری طرف قارئین کو ان موضوعات کو مکمل طور پر مختلف زاویوں سے نظر ڈالنے کی دعوت دیتا ہے۔ قاری سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ زندگی کو ایسے زاویوں سے بھی دیکھا جاسکتا ہے لیکن آج تک وہ ایسا کیوں نہیں کر سکا۔

تاریکی میں چلتے لوگ۔۔۔ کہانیوں کا مجموعہ

تاریکی میں چلتے لوگ مصنف کے قلم سے لکھی گئی چھبیس کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ کہانیوں کے موضوعات ہمارے عہد کے شعوری تضادات کو اتنی خوبصورتی سے اپنے گرفت میں لیتے ہیں کہ قاری انگشت بند اداں رہ جاتا ہے۔ کہانیوں کی کنسٹرکشن اتنے فن کارانہ انداز میں کی گئی ہے کہ مصنف اردو کہانی نگاروں سے اُٹھ کر بین الاقوامی کہانی نگاروں کی صف میں شامل ہو جاتا ہے۔ ایک نقاد کا کہنا ہے کہ تاریکی میں چلتے لوگ کی کہانیاں اُسے سعادت حسن منٹو اور ٹیکو کی کہانیوں کی یاد دلاتی ہیں۔

اسرائیل میں چند روز۔۔۔ سفر نامہ

اسرائیل میں چند روز میں مصنف نے اسرائیل میں گزارے چند دنوں کی کہانی اتنی خوبصورتی اور مہارت سے بیان کی ہے کہ قاری محسوس کرتا ہے کہ وہ ایک ایک پل مصنف کے ساتھ اسرائیل کا سفر کر رہا ہے۔ اس سفر نامہ میں یروشلم سے تعلق رکھنے والے پیغمبروں کے سبھی مقبروں کی رنگین تصاویر کے ساتھ ساتھ ان کی زندگیوں کے منفرد واقعات شامل ہیں جو آپ کو کسی اور کتاب میں نہیں ملیں گے۔ کتاب میں اسرائیل کے معرض وجود میں آنے سے لے کر آج تک کی صورت حال پر بصیرت افروز معلومات کی تفصیل درج ہے۔

کنارِ نیل۔۔۔ سفر نامہ

مصنف نے 2012 میں کئے گئے اپنے مصر کے سفر کی داستان اتنی خوبصورتی اور مہارت سے تحریر کی ہے کہ قاری سارے سفر میں مصنف کے ساتھ سفر کرتا ہے۔ اس سفر میں جہاں قاری مصنف کی آنکھوں سے مصر دیکھتا ہے وہاں مصر کی تاریخ، جغرافیہ اور ثقافتی لینڈ اسکیپ سے بھی مکمل آگاہی حاصل کرتا ہے۔

سقراط کے شہر میں۔۔۔ سفر نامہ

جون 2012 میں مصنف کو ایک ہفتہ یونان میں گزارنے کا اتفاق ہوا۔ زیادہ تر وقت شہر سقراط ایتھنز کی گلیوں میں گھومتے پھرتے گزرا۔ اس کے علاوہ بحرِ اجمین میں تین اہم جزیروں کی سیاحت کا موقع بھی ملا۔ "سقراط کے شہر میں" اسی سفر کی ایک دلچسپ داستان ہے۔ اس معلوماتی سفر نامے میں یونان کی تاریخ اور ثقافت کا انتہائی خوبصورت اور دلکش جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

اس سفر نامے میں آپ یونان کے سب رنگ دیکھیں گے۔ کبھی آپ یونان کی تاریخ کی سیاحت کریں گے، کبھی جغرافیہ کی، کبھی ثقافت کی اور کبھی سیاست کی۔ اس کے علاوہ آپ دیکھیں گے کہ آج کا یونان

عہد حاضر کے عصری تقاضوں سے کس طرح نبرد آزما ہو رہا ہے اور یونانی عہد حاضر کے چیلنجز کے بارے میں کیا سوچتے اور محسوس کرتے ہیں۔

ماسکو ماسکو۔۔ سفر نامہ

یوں تو بہت لوگ روس کی سیاحت کے لئے جاتے ہیں لیکن مصنف نے جس طرح روس کو اندر اور باہر سے دیکھا اور پھر اپنے تجربات اور مشاہدات کو اردو ادب کے قارئین کے لئے پیش کیا اس نے ان کے اس سفر نامے کو ایک مثالی سفر نامہ بنا دیا ہے۔ جو لوگ روس جائے بغیر روس کے بارے میں جاننا چاہتے ہوں ان کے لئے یہ سفر نامہ روس کے بارے میں بنائے گئی ایک فلم کی طرح ہے۔ جو لوگ روس کا سفر کرنا چاہتے ہوں ان کے لئے یہ سفر نامہ ایک گائڈ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے مطالعہ کے بعد اگر وہ روس کا سفر کریں گے تو انہیں کسی ایسی صورت حال کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا جس کی انہیں توقع نہ ہو اور دوسرے انہیں قبل از وقت بخوبی اندازہ ہو گا کہ روس کے دو عظیم شہروں یعنی ماسکو اور سینٹ پیٹرز برگ میں ان کی دلچسپی کے کون کون سے مقامات ہیں۔

برف میں کھلا پھول۔۔ نثری نظمیں

برف میں کھلا مصنف کا ۵۷ نثری نظموں پر مشتمل مجموعہ ہے جنہیں پڑھ کر قاری حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ نثری نظم میں بھی ایسے شاعرانہ امیجز تراشے جاسکتے ہیں جنہیں پڑھ کر انسان وہی حظ اٹھاتا ہے جو کبھی روایتی شاعری کا طرہ امتیاز تھا۔

کتاب خریدنے کے لیے مندرجہ ذیل ای میل پر رابطہ کریں:

Email: kashraf@ix.netcom.com

